"حدیثِ ادب"

از

جنابِ احسان بن دانش (کاندھلہ)

زیر اہتمام

انجمن تعمیر ادب

ذیشان بک ڈپو مزنگ لاہور

قیمت غیر مجلد عہ

مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے

بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سُخن کے ساتھ

لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

(غالبؔ)

انتساب

بصد خلوص

یہ چند محتاج نظر اوراق کا مجموعہ اپنے اُستاد محترم

جناب قاضی محمدؐ ذکی صاحب **ذکی** کاندھلوی ضلع مظفر نگر

کے

نام نامی سے معنون کرتا ہوں جنہوں نے اوائل عمر ہی میں مجھے

زریں ارشادات سے احساس کی دولت جاوید عطا کر کے فراق

کی روح فرسا گھڑیوں کے سپرد کر دیا۔

(احسان)

تعارف

کیلئے میں اپنے اُن خیالات کا ناچیز مجموعہ
جنہوں نے آلام و مصائب کے مختلف اوقات میں
احساس کی بیدار کُن چٹکیوں سے اشعار کی صُورت
اختیار کرلی ہے۔ اہل نظر حضرات کی خدمت میں
پیش کرتا ہوں۔

(احسان)

نیرنگِ تغزّل

دورِ اوّلیں

کیا فسوں تجھ میں نگاہِ نرگسِ مستانہ تھا
لاکھ فرزانوں سے فرزانہ ترا دیوانہ تھا

قیس کی صحرا نوردی بے سبب کاہے کو تھی
ہر بگولہ پردہ دارِ محملِ لیلیٰ نہ تھا؟

دیدۂ موسیٰ پہ تڑپی اس طرح کچھ برقِ طور

کوئی سمجھے مضطرب خود جلوۂ جانانہ تھا
رات کی ہر آہ شمع منزلِ مقصود تھی
صبح کا ہر نالہ خضرِ کوچۂ جانانہ تھا
محفلِ انجم میں ساقی رات بھر ڈھونڈا تجھے
کہکشاں کے ہاتھ میں جب چاند کا پیمانہ تھا
اک ترے کوچے میں رہتا ہے ہجومِ رنگ و بو
ایک جلوہ طور پر غارت گرِ کاشانہ تھا!
جس کو سب احسان کہتے ہیں جہاں میں جامِ جم
وہ مرے ساقی کا ایک چھینٹا ہوا پیمانہ تھا

خاک تو نے سیر کی اے دیدۂ بیگانہ ہیں
دید کے قابل جو تھا وہ دل کا منظر رہ گیا

مائلِ لطف و کرم ہے داورِ محشر تو کیا؟
قابلِ پرسش مرے عصیاں کا دفتر رہ گیا؟

شاطرانہ چال کیا کھیلے طلسمِ دہر کی
اِس سے ہر دانا شکستِ فاش کھا کر رہ گیا

پرتوِ برقِ جمالِ دوست تجھ کو آفریں
خرمنِ ہوش و خرد سب خاک ہو کر رہ گیا

جب سُنی ساقی سے توصیفِ شرابِ خانہ ساز
کانپتے ہاتھوں سے گرتے گرتے ساغر رہ گیا

سیرِ زنداں کو ہے لازم دیدۂ وسعت نگر
سیر گاہِ عرش ھے اک حلقہ ہے زنجیر کا

اذنِ آزادی؟ مجھے؟ اور موسمِ گلبار میں؟
رہ گیا سکتے میں ہر حلقہ مری زنجیر کا

دیکھئے کس دن ہوں زندانِ عناصر سے رہا
ہو گئی مدت سرا ملتا نہیں زنجیر کا

دل شکستہ ہوں! خدا کے واسطے ہلکی نظر
چور ہو جائے نہ آئینہ مری تصویر کا

حشر میں احسان پوچھیں گے اگر فردِ عمل
ہم دکھائیں گے نوشتہ کاتبِ تقدیر کا

شب خمارِ حسنِ ساقی حیرتِ میخانہ تھا
آپ ہی مے آپ ہی خم آپ ہی پیمانہ تھا

کعبہ و دیر و کلیسا میں عبث ڈھونڈا کئے
دل کا ہر گوشہ مقامِ جلوۂ جانانہ تھا

رنگ لایا ہے برائے دیدۂ انجام جو
شمع ہر ذرۂ خاک پر پروانہ تھا

خامیِ ذوقِ نظر تھی ورنہ اے ناکامِ عشق!
ذرّے ذرّے سے نمایاں جلوۂ جانانہ تھا

پھر وہی صوتِ طرب افزا بنی فردوسِ گوش
جس سے اک عالم شہیدِ نغمۂ مستانہ تھا

دید کے قابل تماشا تھا یہ ہنگامِ سحر
شمع کا ہر سانس محوِ ماتمِ پروانہ تھا

فتنۂ مذہب بھی خود بینی کا اِک انداز ہے
ورنہ کس کو امتیازِ مسجد و بتخانہ تھا

خامشی اِک بیان ہے گویا
بے زبانی زبان ہے گویا

کہہ رہا ہے کسی سے کچھ کوئی
دل تو اِک ترجمان ہے گویا

مٹنے والے! نہ ہار نا ہمّت
یہ ترا امتحان ہے گویا

ہے ضعیفی میں شیخ طالبِ حور
دل ابھی تک جوان ہے گویا

ہے چمن درسگاہِ رازِ حیات
پتّی پتّی زبان ہے گویا!

سیماب وار ہے نگہِ بے قرار کیوں؟
اللہ! کون زینتِ محفل نہیں رہا
تو ہل گیا" کہ ڈھونڈنے والے نہیں رہے؟
ہنگامہ کیوں وہ اب سرِ منزل نہیں رہا
للہ آہ! کہ پھر گئیں آنکھوں کی پتلیاں
اب تو حجابِ اشک بھی حائل نہیں رہا
پنہاں درونِ سینہ رہا منظرِ الست
میں لذتِ فراق سے غافل نہیں رہا
ہر موجِ بحرِ عشق میں ساحل بدوش ہے
دل میں ہجومِ حسرتِ ساحل نہیں رہا
پامال کر دیا ستمِ روزگار نے
احسانؔ! آہ اب وہ مرادِ دل نہیں رہا

عشق کی دُنیا میں اِک ہنگامہ برپا کر دیا
اے خیالِ دوست! یہ کیا ہو گیا کیا کر دیا

ذرّے ذرّے نے مرا افسانہ سُن کر داد دی
میں نے وحشت میں جہاں کو تیرا شیدا کر دیا

طور پہ راہِ وفا میں بو دیئے کانٹے کلیم!
عشق کی وسعت کو مسدودِ تقاضا کر دیا

بسترِ مشرق سے سورج نے اُٹھایا اپنا سر
کس نے یہ محفل میں ذکرِ حُسنِ یکتا کر دیا

چشمِ نرگس جائے شبنم خون روئیگی ندیم
میں نے جس دن گلستاں کا راز افشا کر دیا

قیس! یہ معراجِ اُلفت ہے کہ اعجازِ جنوں
نجد کے ہر ذرّے کو تصویرِ لیلیٰ کر دیا

مدّعائے دِل کہوں احسانؔ! کس اُمید پر
وہ جو چاہیں گے کرینگے اور جو چاہا کر دیا

بہار آئی ہے پھر جھوم کر سحاب اُٹھا
کہاں ہے مطربِ رنگیں نوا! رباب اُٹھا
جواز مے کا مخالف اگر ہے اے واعظ!
کہاں لکھا ہے دکھا! لا اُٹھا کتاب اُٹھا!
فضا میں کھول دیئے ہیں گھٹاؤں نے گیسو
نہیں ہے جام، نہ ہو شیشۂ شراب اُٹھا
ہر ایک پھول میں رقصاں ہے کائناتِ جمال
بہار آئی کہ اک محشرِ شباب اُٹھا!
کہاں کے دیر و حرم، جستجوئے جلوہ کر!

یہی نقاب ہے آنکھوں سے یہ نقاب اٹھا
نسیمِ صبح سے شاخیں ہلیں تو میں سمجھا!
کہ حسنِ عالمِ طفلی میں نیمخواب اٹھا
لباسِ ماہ میں احسان دیکھ کون آیا!
نگاہ سوئے فلکِ خانماں خراب! اٹھا

ادھر پھیلایا دامن اور ادھر کالی گھٹا اٹھی
دعائے میکشاں کا بامِ گردوں سے جواب آیا
نہ دے اور دیوالے! آنسوؤں سے غسل ذرّوں کو
بس اب سجدے سے اٹھ! وہ دیکھ کوئی بے نقاب آیا
پہن کر چرخ پہ کالی گھٹا کا ماتمی جامہ
الٰہ العالمیں! یہ کون محوِ اضطراب آیا!

شفق کی لالہ کاری چھائی جاتی ہے فضاؤں پر

تصوّر میں کوئی اُف! لیکے پھر جامِ شراب آیا

شفق کے بعد سُونا رہ گیا تھا آسماں لیکن

درختوں کے اندھیرے سے نکل کر ماہتاب آیا

خزاں میں زرد رُو توٹے ہُوئے غُنچے یہ کہتے ہیں

شباب آنے کو ہاں آیا" مگر پا در رکاب آیا!

رہا احساں کب رنگِ زمانہ ایک حالت پہ

ہر اک تارِ نفس لے کر پیامِ انقلاب آیا

سمجھنے کیلئے آئے تھے لیکن کون سمجھائے
حقیقت کو زبانِ حال پہ آنا نہیں آتا

جسے وہ ساقیِ مستانہ گر تلقین فرمادے
قیامت تک اُسے پھر ہوش میں آنا نہیں آتا

یہ مانا ناخنِ تدبیر عقدے کھول دیتا ہے!
مگر تقدیر کی گتھی کو سُلجھانا نہیں آتا

سپردِ خاک کرکے جائیں گے یہ خاک کا جامہ
ہمیں مٹی میں مٹی ہو کے مِل جانا نہیں آتا

خُدا نے یہ شرف بس پیرِ میخانہ کو بخشا ہے
تمہیں اے واعظو رندوں کا سمجھانا نہیں آتا

جب میں ہمرازِ دلِ درد آشنا ہو جاؤں گا
دل ہی سے پھر کوئی یہ پوچھے کہ کیا ہو جاؤں گا

مدعائے دل اگر یونہی رہا صبر آزما
رفتہ رفتہ بے نیازِ مدّعا ہو جاؤں گا!

ہو گیا بیدار جس دن جذبۂ شوقِ نمود
حشر بن کر بزمِ عالم میں بپا ہو جاؤں گا

اُن کے جلووں میں اگر گم ہو گئی روحِ نظر
وہ وہی ہوں گے مگر میں جانے کیا ہو جاؤں گا

ہر نفس پر توڑتا جاتا ہوں اک خیطِ کمند
رفتہ رفتہ دامِ ہستی سے رہا ہو جاؤں گا

اپنی صورت ذرّے ذرّے میں نظر آنے لگی
گر خودی کا ہے یہی عالم خدا ہو جاؤں گا

مُرتعش شبنم کا قطرہ ہُوں سرِ خارِ مُغیل
جب ذرا سی ٹھیس کھاؤنگا فنا ہو جاؤں گا

ہے مرے ذوقِ فنا میں مستتر تعلیمِ عشق!
صفحۂ عالم پہ تشریحِ بقا ہو جاؤں گا

فریبِ لطف ہیں یہ سب اوج و پستی!
مجھے سب خبر ہے میں کیا ہُوں میں کیا تھا

یہ ہے داستانِ ازل کا خلاصہ
سرِ ابتدا جلوۂ انتہا تھا

کرم کا تو کہنا ہی کیا پھر کرم ہے
ستم میں بھی لطفِ محبّت فزا تھا

لطافت کو تجسیم کی آرزو کیا؟

میرے نام سے آپ کا مدعا تھا
ستا لو مجھے زندگی میں ستا لو..
کھلے گا پسِ مرگ احسان کیا تھا

نہ جانے سحر یہ کیا تو نے چشمِ یار کیا
کہ میں نے ہوش کے جامے کو تار تار کیا
فسوں عجیب یہ اے موسمِ بہار کیا
کہ خار زار کو ہم رنگ لالہ زار کیا
مہک رہا ہے ہر اک گل کا جامۂ رنگیں
صبا نے باغ میں کیا ذکرِ زلفِ یار کیا؟
نہ پوچھو پچھلے پہر اپنی یاد کا عالم
تمہارا ذکر ستاروں سے بار بار کیا

نسیمِ صبح نے آکر وہ راگنی چھیڑی

ہر ایک پھول نے کانٹے کو جھک کے پیار کیا

مرے جہانِ محبّت میں پڑ گئی ہل چل!

سکونِ دل نے مجھے اور بے قرار کیا

بھر آئے دیدۂ انجم میں اشکِ مجبوری

جگر کو تھام کے جب ہم نے ذکرِ یار کیا

تڑپ کے آبلہ پا ایک بار پھر اُٹھے

یہ کس نے تذکرۂ آمدِ بہار کیا

گزر چکی ہیں جو احسان اُن کی محفل میں

اُنہیں قرار کی گھڑیوں نے بے قرار کیا

محتسب قصد عبث ہے مرے سمجھانے کا

میرے قصّے سے تعلق؟ تیرے افسانے کا

شیشہ خاموش ہے لب خشک ہے پیمانے کا

کھُل گیا ہم پہ بھرم سب تیرے میخانے کا

شورشِ عرصۂ محشر کی حقیقت کہہ دوُں

ایک بے ربط سا ٹکڑا مرے افسانے کا

حوُر و غلماں سرِ فردوس بریں اے واعظ!

ایک دھُندلا سا تصوّر ہے یہ میخانے کا

ہائے اُس کوچۂ محبوب کا مے ریز سماں

جیسے برسات میں عالم کسی میخانے کا

جہاں ضبطِ غم میں اِک قیامت خیز عالم ہے
ارادہ کر رہا ہُوں نالۂ دل آزمانے کا!

خبر بھی ہے میں وہ پروردۂ سوزِ محبّت ہُوں
کہ برقِ مُضطرب تنکا ہے میرے آشیانے کا

ہر اک عکسِ وجودِ عارضی کہتا ہے باقی ہوں
تماشا ہے عجب ہی دہر کے آئینہ خانے کا

کلیم اللہ کا غش رہزنِ راہِ وفا نکلا
ارادہ تھا کسی کا طور پہ ہنسنے ہنسانے کا

جسے اے حاجیو دیتے ہو بوسہ جا کے کعبے میں
ہے اِک اُکھڑا ہُوا پتّھر کسی کے آستانے کا

گئی شبنم شعاعِ مہر کے زینے سے رفعت پر
کھُلا عقدہ سحر کو رات کے آنسو بہانے کا

قیامت نام ہے احساںؔ جس کا بزمِ عالم میں
ہے اِک سادہ ورق میری تباہی کے فسانے کا

~~~~~~~~~~

ہوش میں آنے کو ہیں پھر ترے مستانے چند
ساقیا! بھر کے ابھی دے انہیں پیمانے چند
خود بخود رقص سا کرنے لگی شیشوں میں شراب
دامنِ ابر میں بیتاب ہیں میخانے چند
حاجیو! کیوں لئے جاتے ہو مجھے بہرِ طواف
بھیس کعبے کا ہیں بدلے ہوئے بتخانے چند
مجھے تنہائی میں اللہ! یہ کس کا ہے خیال
سایہ افگن ہیں تصوّر میں پریخانے چند
سُن نہ اے داورِ محشر مری روداد حیات
~~~~~~~~~~

بھولے بسرے سے یونہی یاد ہیں افسانے چند
ساقیا! ختم نہ کر دورِ مئے ہوش ربا
آج محفل میں اُٹھ بیٹھے ہیں فرزانے چند
ہے ابھی دیدۂ احساں میں جنبش ساقی
اور درکار ابھی ہیں اسے پیمانے چند

دیدۂ عشق بھی ہے وا حسن بھی ہے نکھار پہ
کوند رہی ہیں بجلیاں خرمنِ اختیار پہ
چھوڑ کے تشنۂ خمار ابرِ سیاہ چل دیا
سانپ سے لوٹنے لگے سینۂ میگسار پہ
بادِ صبا نے جانے کیا کان میں آکے کہہ دیا
رکھ دیئے بیقرار لب پھول نے جھک کے خار پہ

محوِ خرامِ ناز ہے شاہدِ حسن باغ میں

اور بہار آگئی جلوۂ نو بہار پر

چاندنی رات اور یہ قبرستان کی سرزمیں

نور کی بارشیں سی ہیں آج ہر اک مزار پر

شبنم بے قرار پر ڈال کے چاند نے نظر

لاکھ ستارے جڑ دیئے دامنِ سبزہ زار پر

خوش نہ ہو عندلیب زار دیکھ کے جلوۂ شفق

چرخ نے خون رو دیا خندۂ لالہ زار پر

کس کی نگاہ برق پاش آج یہ گل کتر گئی!

رقص میں ہیں تجلّیاں سینۂ داغدار پر

کیا کرتا ہوں سجدے چاندنی راتوں میں پھولوں کو
سمجھتا ہوں یہ تیرے نقشِ پا ہیں رہروِ منزل

بھری محفل میں رو دینے کا باعث پوچھنے والے
تجھے تو سب خبر ہے جو گزرتی ہے مرے دل پر

قمر کے پاؤں اُکھڑے آہ سی کھینچی بیاباں نے
الٰہی کیوں اُداسی چھا چلی تاروں کی محفل پر

بہار آئی ہے پھر سرو و صنوبر وجد کرتے ہیں
وہ پھر منڈلائیں کالی بدلیاں پھولوں کی محفل پر

چھٹے گا مجھ سے یوں احسان عالم کا زیاں خانہ
کسی دن کوئی آ کر ہاتھ رکھ دیگا مرے دل پر

ہر اک سروِ چمن پر چھا رہا ہے طور کا عالم
یہ سجدے کر رہی ہیں بجلیاں کس کے نشیمن پر
غضب تھا اک نظر جلوہ دکھا کر اُن کا چھپ جانا
نگاہیں ٹھوکریں کھاتی پھریں کس کس کی چلمن پر
الٰہی خیر میرے آشیاں کے چار تنکوں کی!
تڑپتی پھر رہی ہیں بجلیاں دیوارِ گلشن پر
بتاتے ہیں جیسے زنّار سارے بتکدے والے
مرے تارِ گریباں آ پڑے دوشِ برہمن پر
وہ قطرہ ہوں تمنّا جس کی ہے بحرِ حقیقت کو
وہ دانہ ہوں ازل سے ناز کرتا ہے جو خرمن پر

جسے کلیم نے دیکھا تھا طور پر رقصاں
اُسی جمال کو ہر شے میں دیکھتا ہوں میں

کہاں ہے خضرِ حقیقی پکار لے مجھ کو
بچھڑ کے قافلے والوں سے رہ گیا ہوں میں

مرے جنونِ محبت کی سرگذشت نہ پوچھ
کسی کی خلوتِ رنگیں کا ماجرا ہوں میں

مرے جہانِ تمنّا کا آسرا تو ہے
تری تمام اداؤں کا مدعا ہوں میں

الاپتے ہیں ملک جن کو عرشِ اعظم پر
وہ نغمے ڈوب کے ریشوں سے سن رہا ہوں میں

خموش! نزع کی ہچکی کے دیکھنے والو!
رُخِ حیات سے پردہ اُٹھا رہا ہوں میں

کہاں وہ اوجِ کمال اور کہاں تغیرِ زوال
الٰہی کس کی نگاہوں سے گر گیا ہوں میں

نگاہ دیکھ کے حیران جو ہو گئی تجھ کو
تڑپ کے دل نے صدا دی کہ آشنا ہوں میں

نظر فروزیٔ انجم، فروغ بادہ، سلام!
کسی کے ایک تبسم پہ بک چکا ہوں میں!

خموش شورشِ کونین! گوش بر آواز
شکستِ دل کا فسانہ سنا رہا ہوں میں

گلہ زباں پہ جو آیا کہ سو گئی قسمت!
تو درد اٹھ کے پکارا کہ جاگتا ہوں میں

اگرچہ کہہ گیا احسان حالِ دل لیکن!
کسی کا نام ابھی تک چھپا رہا ہوں میں

لطفِ سجود ہو چکا کیف کہاں نماز میں

ہو گئی گم نگاہِ شوق جلوۂ کعبہ ساز میں

خیر حرم کی راہ میں آ گئی یادِ میکدہ

لے تو چلی تھی آرزو دامگہِ نیاز میں

پھر وہی قلبِ عشق میں ذوقِ کلیم جاگ اٹھا

کوند رہی ہیں بجلیاں چشمِ نظارہ باز میں

دل پہ برس برس پڑا ابرِ شرابِ ارغواں

ہائے وہ سرخ سے خطوط دیدۂ نیم باز میں

تابِ نظارہ ہو نہ ہو رخ سے نقاب اٹھائیے

جلوۂ صد حیات ہے جنبشِ برقِ ناز میں

مسلکِ شیخ و برہمن شیوۂ بندگی نہیں

دیکھ رواں دواں نہ ہو وادیٔ امتیاز میں

جھوم رہی ہیں ٹہنیاں جھول رہی ہیں کونپلیں

اُف رے سرور گُستری خلوتیانِ راز میں

دیکھ اذانِ صُبح کا سرد فضاؤں میں سماں

ہیبتِ بے نیاز ہے زمزمۂ نیاز میں

جان کا کیا ہے جائیگی موت کا کیا ہے آئیگی

کیوں رہے شرحِ زندگی حلقۂ دامِ راز میں

میں اکیلا ہی نہیں بیکل تمہاری یاد میں
حشر برپا ہو رہا ہے عالمِ ایجاد میں

اب اُسے بے رونقی و رونقِ گلشن سے کیا؟
جس کا مدّت سے نشیمن ہو کفِ صیّاد میں

ہر رگ و پے میں سرایت کر رہا ہے اضطراب
زندگی کا راز پاتا ہوں تمہاری یاد میں

اک جنوں پرور جھلک دے کر حریمِ ناز سے
تم نے لاکھوں بجلیاں بھر دیں دلِ ناشاد میں

کھل گیا بے التفاتی کا معمہ کھل گیا
صبر کی دُنیا ہے پنہاں پردۂ بیداد میں

یہ اندھیری رات، یہ مدہوش تاروں کا ہجوم
گلستاں کی پتّی پتّی ہے کسی کی یاد میں

چاندنی راتوں کے سنّاٹے میں اُف اُن کا خیال
سینکڑوں محشر تڑپتے ہیں لبِ فریاد میں
نُور کا ٹکڑا ہے تارے ہیں عرقِ انفعال
میٹھا میٹھا درد پھر اُٹھا دلِ ناشاد میں
کیا کہوں احساںؔ اس رنگیں تصوّر کا سرور
کیف یہ حاصل نہیں ہوتا خدا کی یاد میں

آنکھ کیا آنکھ ہے اشکوں سے جو آباد نہیں
دِل وہ کیا دل ہے جو لذّت کشِ بیداد نہیں

نخوتِ حُسن سے خاموش رہے لاکھ مگر!
کون سا گُل ہے جسے حسرتِ فریاد نہیں

ہے دمِ نزع سنو! قصّۂ انجامِ حیات
اِس سے بہتر کوئی افسانہ مجھے یاد نہیں

سازِ دل تشنۂ مضرابِ الم رکھتا ہوں
میرے مذہب میں روا شکوۂ بیداد نہیں

بھُول سہی بھُول ہے احسان وہ فرماتے ہیں
"ہاں کہیں آپ کو دیکھا ہے مگر یاد نہیں"!

دل ہے انجام مسرت سے کچھ ایسا باخبر
جب خوشی کا نام آتا ہے لرز جاتا ہوں میں

جب تصور میں ترے جلووں پہ کرتا ہوں نظر
اک سراپا حسن کے عالم میں کھو جاتا ہوں میں

اب تو کچھ ایسا رہین دور اندیشی ہے دل
مسکراتا ہے اگر کوئی تو تھراتا ہوں میں

یہ مجھے تو ہی بتا اے ساقی ساغر بکف!
ہوش میں آتا ہوں یا اب ہوش سے جاتا ہوں میں

تیرا جلوہ، تیری ضو، تیرا تصور، تیرا شوق
فی الحقیقت میں نہیں ہوں گو نظر آتا ہوں میں

میکدے کی سمت، کعبے کی طرف، یا سوئے دیر
بے خودی! تو ہی بتا آخر کدھر جاتا ہوں میں؟

جز غمِ عقبیٰ نہیں احساں حصولِ زندگی
عیش و عشرت کی تمنا کو عبث پاتا ہوں میں

جہانِ ضبطِ غم میں عام کیوں رسمِ فغاں کر لوں
میں اپنے عشق کا دُنیا کو کیوں محرم راز داں کر لوں ؟
تڑپنے میں عجب اک کیفیت ہے ہمنشیں ورنہ!
ابھی خنجر اُٹھا کر چارۂ دردِ نہاں کر لوں
چمن والو! وہ نالے مضطرب رکھتا ہوں سینے میں
اگر چاہوں لبِ ہر گل کو پابندِ فغاں کر لوں
ارادہ ہے بھکاری بن کے صحرا میں بگولوں کا
پھر اپنے جیب و داماں کی اکٹھی دھجیاں کر لوں
مجھے ان آڑے سیدھے چار تنکوں کا خیال آیا
ذرا صیاد چل ان کو سپردِ باغباں کر ا

رکھتا نہ ہو جو شیخ و برہمن میں امتیاز
مِل جائے ایسا کفر تو ایماں نثار ہے

جس میں بجز خیالِ رُخِ دوست کچھ نہ ہو
اس مفلسی پہ زیست کا ساماں نثار ہے

جو بچھ چکا ہو سایۂ دیوارِ دوست میں!
اُس بوریئے پہ تختِ سلیماں نثار ہے

احسانؔ جس کے نشّے میں رنگِ دوام ہو
اُس بیخودی پہ ہوش کی دُوکاں نثار ہے

فرقت کی شب تغیّرِ عالم کے خوف سے!
کرتا ہوں ضبط آہِ قیامت نما کو میں

رکھتا ہوں اے ندیم! کسی کی تلاش میں
زیرِ نگاہ جلوۂ آتش قبا کو میں

جینے سے کچھ نشاط نہ مرنے سے کچھ الم
اِک کھیل جانتا ہوں فنا و بقا کو میں

پھر آرزو ہے دُوں اُنہیں ترغیبِ انحراف
درد آشنا کروں دلِ حُسن آشنا کو میں

آنسو نکل کے روح کو ہوتی ہے انبساط!
تجدیدِ زندگی نہ کہوں کیوں قضا کو میں

جی چاہتا ہے نغمۂ منصور چھیڑ کر
دیکھوں دیارِ دار و رسن کی فضا کو میں

ستمگاریاں ہیں، جفا کاریاں ہیں!
غرض ہر طرح عاشق آزاریاں ہیں
کوئی رہروانِ عدم سے یہ پوچھے
کہاں کی یہ چُپ چاپ تیاریاں ہیں؟
مدد اے قضا، رُخصت اے دردِ ہجراں!
مجھے اپنے جینے سے بیزاریاں ہیں
ازل میں انہیں رحمتِ حق نے تاکا
عجب شے ہماری سیہ کاریاں ہیں
ذرا چشمِ دل کھول کر دیکھ بلبل!
جنہیں خار کہتے ہیں گلکاریاں ہیں!
جنوں نے ہلایا ہے پھر آکے شانہ
بیاباں نوردی کی تیاریاں ہیں!

زمانے کا پامال کردہ ہوں لیکن
وہی مجھ میں احسانؔ خودداریاں ہیں

حُسن کو پردے میں ہو سکتا نہیں ہرگز قرار
روزِ اوّل سے یہ لیلیٰ خوگرِ محمل نہیں!

ہوشیار! اے مست و مدہوشِ جوانی ہوشیار!
عشق وہ دریا ہے جو منّت کشِ ساحل نہیں

اپنا رستہ، اپنی دُھن، اپنا تصوّر، اپنا شوق
کوئی بھی رہروِ یہاں گم کردۂ منزل نہیں

ہے تصورِ عشرتِ ماضی کا آئینہ بدست
دل وہی دل ہے مگر وہ گرمیِ محفل نہیں

دیکھنا ہے آمرے دل میں سما جا برقِ ناز   شکوہ سنجی فطرتِ احسانؔ میں داخل نہیں

یہی شبنم کی بوندیں جو ہیں لرزاں سبزہ زاروں پہ
انہی کے اجتماعی وقت کو طوفاں بھی کہتے ہیں

ہماری بے سر و سامانیوں کو تم نے کیا سمجھا؟
انہی کو اصطلاحِ عشق میں ساماں بھی کہتے ہیں

تصوّر جس کو رہتا ہو کسی کے مصحفِ رُخ کا!
مرے مذہب میں اس کو حافظِ قرآں بھی کہتے ہیں

مذاقِ عاشقی میں قائلِ دیر و حرم ہونا
اسی کو فی الحقیقت خامیِ ایماں بھی کہتے ہیں

ازل سے ہے کسی کا بارِ احساں میری گردن پر
بجا احسان کو شرمندۂ احساں بھی کہتے ہیں

صورت دوا کی دیکھ کے بیمار چل بسا
رازِ حیات، موت نے سمجھا دیا نہ ہو

دورِ خزاں ہو آکے مسلّط بہار پر؟
مجھ کو مری نگاہ نے دھوکا دیا نہ ہو

دیوانہ وار حسنِ جہانسوز کی تلاش
دل نے تجھے فریبِ تمنّا دیا نہ ہو!

یہ زندگی، یہ کاہشِ غمہائے زندگی
روزِ ازل کہیں سے مجھے بہکا دیا نہ ہو

سینکڑوں بیتاب محشر اضطراب دل میں تھے
جب بہار آنے کو تھی سیکش بڑی مشکل میں تھے

کاش اہم سنتے کہ تھے شوق شہادت کے رموز
آخری جملے جو فریاد لب بسمل میں تھے

صبح ہوتے ہی اتر آئے مرے دل میں تمام
نیم شب جو نقرئی جلوے مہ کامل میں تھے

دل کا کیا کہنا جمال طور کا تو ذکر کیا!
ان کے جلوے بھی اسی تاریک منزل میں تھے

اٹھ گئے کہہ کر "انا المحبوب" ہنگام نشور
جس قدر ذرات خاک کوچۂ قاتل میں تھے

کس طرح منجدھار میں ڈوبا سفینہ کیا خبر
دیدہ و دل اپنے گم نظارۂ ساحل میں تھے

جلوۂ دیر و حرم نکلا فریبِ جستجو
ہائے اب آنکھیں کھلیں تم تو اسی منزل میں تھے
یاد کر کے جن کو اب احسان بھر آتا ہے دل
وہ مناظر کچھ دنوں پہلے مری محفل میں تھے

بخش دی حالِ زبوں نے جلوہ سامانی مجھے
کاش مِل جائے زمانے کی پریشانی مجھے
اے نگاہِ دوست بائے سرمایہ دارِ بیخودی!
ہوش آتا ہے تو ہوتی ہے پریشانی مجھے
کھل چکا ہاں کھل چکا دل پر ترا رنگیں فریب
دے نہ دھوکا اے طلسمِ ہستیِ فانی مجھے
پھر نہ ثابت ہو کہیں ننگِ بیاباں جسمِ زار

سوچ کر کرنا جنوں! مائل بہ عریانی مجھے

منتہائے ذوقِ سجدہ ہے کہ سجدہ اک فریب؟

کفر تک لے آئی تکمیلِ مسلمانی مجھے

منزلوں احسان! پیچھے رہ گئے دیر و حرم

لیجا جانے کہاں سیلابِ حیرانی مجھے

جلا ہے ہائے کس جانِ چمن کی شمعِ محفل سے

مہک پھولوں کی آتی ہے شرارِ آتشِ دل سے

یہ دامانِ حوادث سے قیامت تک نہ گل ہوگا

چراغِ دل مرا روشن ہے اُن کی شمعِ محفل سے

جنابِ خضر ہم کو خاک رستے پر لگائیں گے!

کہ منزل بے خودوں کی ہے مبرّا قیدِ منزل سے

ٹھہر بھی اے خیالِ حشر اور اک جام پینے دے
سرکتا ہے ابھی ظلمت کا پردہ خانۂ دل سے

سحر نے لے کے انگڑائی طلسمِ نازِ شب توڑا
فلک پر حسن کی شمعیں اٹھیں تاروں کی محفل سے

مری کشتی کو روک اے ناخدا دل بیٹھا جاتا ہے
محبت میں اڑے آتے ہیں ذرّے خاکِ ساحل سے

مری بالیں سے اٹھ کر رونے والو یہ بھی سوچا ہے
چلا ہوں کس کی محفل میں اٹھا ہوں کس کی محفل سے

ہے اس کمبخت کو ضد سوزِ باطن سے پگھل جاؤں
نگاہوں نے تمہاری کہہ دیا ہے کیا مرے دل سے؟

نہ دامنگیرِ دل ہو ناخدا! پھر کوئی نظارہ
خدا کے واسطے کشتی بڑھا آغوشِ ساحل سے

سپرد دیے خودی کرنے فرائضِ عمل خود ہیں کے

ہٹا دے اس سیہ کارہ کا پہر اک عبث دل سے

ہر اک ذرّہ ہے دل لے جانے والے! دیکھ کر چلنا!

ہزاروں ہستیاں لٹتی ہوئی ہیں خاکِ منزل سے

مری بیباک نظریں اُن کی جانب اُٹھ ہی جاتی ہیں

ابھی احساں میں واقف نہیں آدابِ محفل سے

~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~
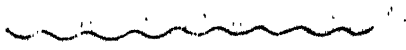
روزِ ازل یہ کس کو خبر تھی کہ زندگی
ہے آستیں میں دشنہ و خنجر لئے ہوئے

کرتی ہے پھول پھول پہ سجدے نگاہِ شوق
دل میں خیالِ روئے منوّر لئے ہوئے!

اصواتِ سازِ ہستیِ موہوم کچھ نہ پوچھ!
ہے تار تار شورشِ محشر لئے ہوئے

ہاں یاد ہے وہ اُن کی اچٹتی ہوئی نظر
اب تک ہوں اک خراش سی دل پر لئے ہوئے

اے دردِ عشق چل کسی گوشے میں بیٹھیے جا بیٹھیں
کب تک پھرے گا یوں مجھے دربدر لئے ہوئے

اے رحمتِ خدا تری طغیانیوں کی خیر
آیا ہوں اک گناہ کا دفتر لئے ہوئے

احسانؔ اکوئے دوست میں کٹ جائے گا یہ شباب؟
جو بدنصیب دوش پہ ہے سر لئے ہوئے

اب زمانے کی مسرت سے نہیں کام مجھے
پیس بھی ڈال کہیں گردشِ ایام مجھے!
آگ لگ جائے نہ دامانِ تصور میں کہیں!
پھونک تھم تھم کے ذرا سوزشِ بے نام مجھے
دل کی دنیا پہ ہے اک حشر کا عالم طاری
اس طرح چھیڑ نہ اے حسرتِ ناکام مجھے!
یہ تمنا ہے کہ اٹھے ترے جلووں سے نقاب
کھینچ لائی ہے کہاں تک ہوسِ خام مجھے!
شاعری کیلئے درکار ہے فرصتِ احساس
دم بھی لینے دے کہیں کثرتِ آلام مجھے

ہے دل پہ نقش گذشتہ بہار کا جلوہ
نہ چھیڑ آج مجھے آہ! آہ! کرنے دے
نہ چھین ساغرِ مے ہاتھ سے خیالِ طہور!
یہی ہے عمر میں پہلا گناہ کرنے دے

جمالِ دوست! یہ نظارہ سوزیاں کب تک
نظر کو رقصِ سرِ جلوہ گاہ کرنے دے
تجھے انہیں کی قسم اے خیالِ رسوائی!
بس ایک بار مجھے اور آہ کرنے دے

تڑپ نہ شوقِ سجودِ عبودیت نہ تڑپ!
مجھے نیاز کی دنیا تباہ کرنے دے
پڑے ہیں پائے خزاں پر بہار کے جلوے
مجھے طلسمِ جوانی تباہ کرنے دے

گھٹائیں لیتی ہیں انگڑائیاں ہواؤں پر
مجھے گناہ سے دفتر سیاہ کرنے دے

ابھی شباب ہے احسانؔ ذکرِ محشر چھوڑ!
گنہ گار ہوں مجھکو گناہ کرنے دے

~~~~~~~~

تھرتھراتے ہوئے دو سُرخ سے آنسو نکلے
تیرے وحشی کی دمِ مرگ یہ حالت دیکھی

اللہ اللہ رے معراجِ تصوّر کی بہار
آئینہ سامنے رکھ کر تری صورت دیکھی

حشر میں داورِ محشر کی پرستش کو چلے!
واعظو! حُسن پرستوں کی حقیقت دیکھی؟

بجلیاں عرش سے لاتی ہیں دعاؤں کا جواب
~~~~~~~~

دِل شکستوں کے تکلّم کی صداقت دیکھی؟

اس محبّت کا بُرا ہو کہ بدل دی دُنیا

تُم نے کچھ غور سے احسان کی حالت دیکھی؟

پھر کوئی اعجاز اے ساقی دکھانا چاہیئے!!

شیخ کو مستوں کے قدموں پر گرانا چاہیئے

اے مریضِ ہجر کیوں ہے درد سے چیں بر جبیں؟

ہر جھپک پر کیفیت سے جھوم جانا چاہیئے

اوس کی بوندوں پہ رقصاں ہے شعاعِ آفتاب

دیدۂ حیراں میں آنسو جھلملانا چاہیئے

حلقۂ زنجیرِ عشرت میں نہ کر دل کو اسیر

اس بلندی کو نگاہوں سے گرانا چاہیئے

ارغنونِ شب ہے نغماتِ سحر کا آبشار
اٹھو اے پردہ نشیں پردہ اُٹھانا چاہیے

لے رہی ہے چٹکیاں سی دل میں توقیرِ بتاں
آج پھر کعبہ کا اک چکر لگانا چاہیے

اس ترے رنگیں تبسّم پر ہے شبنم اشک ریز
یوں نہ تجھ کو اے گلِ تر مسکرانا چاہیے

بہرِ استقبالِ سجدہ جو نہ ہو جائے بلند!
سر نہ ایسے آستانے پر جھکانا چاہیے

جلوۂ روئے شفق پر تیرگی چھانے لگی
اے سکوتِ شام تاروں کو جگانا چاہیے

سامنے آئینہ رکھ کر چاہیے یادِ حبیب
چشمِ نظارہ طلب کو آزمانا چاہیے!

پھر جبینِ شوق سجدے کے لئے بیتاب ہے
آج پھر احسانؔ قسمت آزمانا چاہیئے

~~~~~~~~~~~~

نہ سجود ہے نہ قیام ہے نہ تمیزِ شام و حجاز ہے
کوئی یاد آگیا جس طرح وہی اپنا طرزِ نماز ہے
یہ جو رنگ رنگ کے پھول ہیں یہ جو گلستانِ مجاز ہے
انہیں شاخچوں میں چھپا ہوا کہیں میرا محرمِ راز ہے
ابھی اور مطربِ خوش نوا یہی رنگِ سوز چھیڑا رہے!
کہ نوائے نغمۂ سرمدی ابھی زیرِ پردۂ ساز ہے
ترے پائے ناز پہ رات بھر رہا سجدہ ریز مہ مبیں
جسے اوس کہتے ہیں بارشِ عرقِ جبینِ نیاز ہے
~~~~~~~~~~~~

وہی نیم شب کی خموشیاں، وہی پائمالِ قمر فضا
وہی تشنگانِ نیاز ہیں، وہی خنجرِ لبِ ناز ہے
یہ چمن کا صحنِ طرب فزا یہ خرام گاہِ شمیمِ گل!
یہ طلوعِ نیّرِ نیم شب ہے کہ وہ رخِ جلوہ طراز ہے

اِدھر تیرا آنسوؤں سے اپنا دامن ہوتا جاتا ہے
اُدھر دل مضطرب جلوؤں سے روشن ہوتا جاتا ہے
مری ناکامیاں جرأت پہ غالب آتی جاتی ہیں
دلِ مایوس اُمیدوں کا مدفن ہوتا جاتا ہے
طبیعت دم بدم مانوسِ گریہ ہوتی جاتی ہے
زباں پر زمزمہ ہم رنگ شیون ہوتا جاتا ہے
تشفی گوں تو رکی قندیل ہے ہر اشکِ مجبوری

جگر کا خون اب سنجافِ دامن ہوتا جاتا ہے

نگاہوں میں وہ بھر دیں وسعتیں تیرے تصوّر نے

ہر اک ذرّہ مجھے صحرائے ایمن ہوتا جاتا ہے

نگاہِ حسن سے جو پائمال سا تھا نشیمنۂ دل میں

وہی اک خطِّ سیمیں جلوہ افگن ہوتا جاتا ہے

حجاباتِ نظر سب پھونک ڈالے سوزِ باطن نے

ہر اک کانٹا مجھے اب رشکِ گلشن ہوتا جاتا ہے

تصوّر کو رہینِ جلوۂ بیدار پاتا ہوں

میرا حُسنِ سخن بے ساختہ پن ہوتا جاتا ہے

اُدھر اُن کی تبسّم پاشیاں ہیں اور اِدھر احساں

گریباں رفتہ رفتہ جزوِ دامن ہوتا جاتا ہے

آج پھڑکی رگِ وحشت ترے دیوانوں کی

قسمتیں جاگنے والی ہیں بیابانوں کی!

پھر گھٹاؤں میں ہے نقّارۂ وحشت کی صدا

ٹولیاں بندھ کے چلیں دشت کو دیوانوں کی

آج کیا سوجھ رہی ہے ترے دیوانوں کو

دھجّیاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گریبانوں کی

روحِ مجنوں ابھی بیتاب ہے صحراؤں میں

خاک بے وجہ نہیں اُڑتی بیابانوں کی

اُس نے احساں مجھے اس ناز سے مڑکر دیکھا

دل میں تصویر اُتر آئی پریخانوں کی!

~~~
~~~

ہر طرف محفل میں برپا شورِ نوشا نوش ہے!
توبہ توبہ ہوش میں آنے کا کس کو ہوش ہے

ہوش کی پی ہوش کی زندانِ تقویٰ کے اسیر
جس کو بیہوشی سمجھتا ہے کمالِ ہوش ہے

واہ رے معراجِ وحشت کی بہارِ جاں نثار!
میری نظروں میں ہر اک کانٹا گلستاں پوش ہے

آ چلی بیمارِ غم کے منہ پہ رونق آ چلی
اب کوئی دم میں چراغِ زندگی خاموش ہے

پاؤں میں لغزش، بدن میں تھرتھری، ساغر پہ آنکھ
اپنی بیہوشی پہ میں قربان کتنا ہوش ہے!

چاندنی راتوں میں ہر ذرّے سے سنتا ہوں صدا،
چھپنے والا، ڈھونڈنے والے! یہیں روپوش ہے

وسعتِ تخئیل پہ ہے بیخودی چھائی ہوئی
جسم کی رگ رگ میں موجِ بادۂ سرجوش ہے!
محفلِ دنیا نظر آتی ہے مستِ بے خودی
اب تو میں دعوے سے کہتا ہوں مجھے بھی ہوش ہے
اُس طرف دریائے رحمت، اس طرف بحرِ گناہ
فرق یہ ہے اُس میں طغیانی ہے یہ خاموش ہے
آرہا ہے پھر تصور میں کوئی گیسو بدوش!
ہوشیار اے دل کہ وقتِ امتحانِ ہوش ہے
بے زبانی ہے حقیقت میں حدیثِ دردِ دل
اشک کیا، گویا زبانِ نالۂ خاموش ہے!
چھپنے والے یہ حجاباتِ تجلی بھی اُٹھا
دیدۂ احساں سے آخر کس لئے روپوش ہے؟

حوصلے مایوس، ذوقِ جستجو ناکام ہے!

یہ دلِ نا عاقبت اندیش کا انجام ہے!

آنکھ کیا ہے؟ حُسن کی رنگینیوں کا آئینہ

دل ہے کیا؟ خونِ تمنا کا چھلکتا جام ہے

دیجئے بیمارِ اُلفت کی جگر داری کی داد

نزع کا عالم ہے ہونٹوں پہ تمہارا نام ہے

پھر وہ یاد آئے، ہوئی مدہوش دل کی کائنات

پھر اُٹھا دردِ جگر پھر کچھ مجھے آرام ہے

خاکدانِ دھر میں تسکین کا جویا نہ ہو

آہ! جب تک دل دھڑکتا ہے کسے آرام ہے

وہ تو دل میں درد کی دُنیا بسا کر چل دیئے

مجھ کو ہر تارِ نفس اِک موت کا پیغام ہے

واصلِ مضرابِ خاموشی ہوئے تارِ نفس!

اس سے کہہ دو اب نہ رے بیمار کو آرام ہے

کر رہا ہوں دوستوں کے زعم پر ترکِ وطن

شاید اب آغازِ دورِ گردشِ ایام ہے!
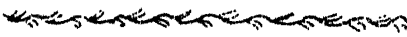
نور سے لبریز آتی ہے نظر دنیا مجھے!
جذبۂ شوقِ طلب نے کر دیا بینا مجھے

ہر قدم پر منزلِ جاناں کا ہے دھوکا مجھے
دے دیا کس نے فریبِ دیدۂ بینا مجھے

کر رہے ہیں سینکڑوں جلوے مرے دل کا طواف
آپ نے چلمن سے شاید جھانک کر دیکھا مجھے!

اے خیالِ جلوۂ حیرت تماشا! آفریں
بخش دی اک کیف میں ڈوبی ہوئی دنیا مجھے

ڈھل چلی شب ہو چلا تاروں میں پیدا ارتعاش
چاند سجدے میں جھکا اے چھیڑ دی لبنا مجھے!

پھر بہار آئی گریباں پہ بڑھا دستِ جنوں

ڈھونڈتا پھرتا ہے ہر ذرّۂ صحرا مجھے

جس جگہ جھکتی ہے جھکنے دو جبینِ اشتیاق

اب نہیں ہے امتیازِ بندۂ و مولا مجھے

جلوہ زارِ حسن میں گم ہو گئی عرصہ ہوا

دے گئی میری نگاہِ اوّلیں دھوکا مجھے

دل منوّر ہے مرا احسانِ سوزِ عشق سے

بدنما دھبہ نہ سمجھے حسن کی دنیا مجھے!

ہر دم خیالِ جلوۂ جانانہ چاہیئے

عالم سے بے خبر دلِ دیوانہ چاہیئے

ساقی خدا کے واسطے خیراتِ میکدہ

پھر اک مئے الست کا پیمانہ چاہیئے

ہشیار باش! محوِ تلاشِ جمالِ دوست!

ہر ہر قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیئے

اُلفت کا راز تا زشِ گفتگو نہ ہو!

دل کا زبانِ چشم سے افسانہ چاہیئے

احساں یہ جنوں پہ تری کوچہ گردیاں

دیوانے کی نشست کو ویرانہ چاہیئے

آج کرنا ہے علاجِ زخمِ پنہانی مجھے
چشمِ تر اب دے اس کے دھونے کیلئے پانی مجھے

جنبشِ ہر برگ سے بڑھتا ہے دل کا اضطراب
باغ میں دیتی ہے نرگس درسِ حیرانی مجھے

واہ رے مشقِ تصوّر آخرش کرنی پڑی
دل کو دربانی مری اور دل کی دربانی مجھے

اب مری راتوں میں لذّت غم نوائی میں سرور
گُل سکھاتے ہیں چمن میں چاک دامانی مجھے

خوش ہوں میں احسان ہاں خوش ہوں کہ بھولا تو نہیں
بخش دی ہے میرے مولا نے پریشانی مجھے!

ہے روشن ذرّہ ذرّہ پرتوِ خورشیدِ عالم سے
مجھے ہر شکل میں شانِ خدا معلوم ہوتی ہے

نہیں ممکن کسی کو امتیازِ دیر و کعبہ ہو!
مجھے یہ عقلِ خود بیں کی خطا معلوم ہوتی ہے

تماشا ہے عزیز و اقربا مصروفِ ماتم ہیں
مگر بیمارِ ہستی کو شفا معلوم ہوتی ہے

چٹک غنچے کی گوشِ ہوش سے سُن بلبلِ نالاں!
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا معلوم ہوتی ہے

یہ میدانِ محبت ہے سنبھل کر گامزن ہونا!
کہ اس کی انتہا بھی ابتدا معلوم ہوتی ہے

تھی صدائے درد آوازِ ربابِ دل نہ تھی!

یہ جگر کاوی تمہاری بزم کے قابل نہ تھی

اللہ اللہ سجدہ ہائے صنم کی کیفیت

مجھ کو کعبے میں بھی ایسی محویت حاصل نہ تھی

ہے تجھے منظور پردہ ورنہ اے دیوانہ گر!

میں جہاں بھٹکا پھرا کیا وہ تری منزل نہ تھی؟

رات بھر رقصِ تجلی چشمِ حیراں میں رہا

کیا فقط اک خواب تھا وہ آپ کی محفل نہ تھی؟

سازِ دل بگڑا، زباں ساکت ہوئی، اچھا ہوا

رات ورنہ میں نہ تھا یا گرمیٔ محفل نہ تھی؟

تیرے دیوانوں کو ہر شے میں ہی تیری تلاش

کوئی بھی جنبش نگاہِ شوق کی باطل نہ تھی!

جس کو سن کر رات بھر لرزاں رہی بزمِ نجوم
نا مکمل ایک سسکی تھی فغانِ دل نہ تھی

اس گنہ زارِ محبت کی نمائش اور تو؟
آہ یہ محفل تیری تنظیم کے قابل نہ تھی

میری عذر قابلی پہ تھی موقوف تکمیلِ ہجوم!
پھر وہ پہلی سی صفِ ماتم لبِ ساحل نہ تھی

میں اٹھاتا کس طرح تمہیدِ عرضِ مدعا
داستاں میری کسی عنوان کے قابل نہ تھی

ہائے وہ تجدیدِ عشرت! اف وہ پروازِ خیال
کس طرح کہہ دوں کہ مستی ہستیِ کامل نہ تھی!

الاماں احسان صنعت خانۂ بہزادِ حسن
کونسی صورت تھی رعنائی میں جو کامل نہ تھی

افراطِ غم سے غم کا مداوا کرے کوئی
بالیں پہ کیوں فضول تماشا کرے کوئی

لطفِ جفا نہ لذّتِ عہدِ وفا نصیب
کن خوبیوں پہ حسرتِ دُنیا کرے کوئی

پردے میں بیقرار ہے دُنیائے حُسنِ دوست
ہاں اشتیاقِ دید کا دعویٰ کرے کوئی!

پردے اُٹھے ہوئے ہیں حریمِ جمال سے!
وا آج اپنی چشمِ تماشا کرے کوئی

پردے میں دیکھ دیکھ کے چھپنے سے کیا حصول
چشمِ تصوّرات سے پردہ کرے کوئی

چھپتا اگر ہے چشمِ تمنّا نصیب سے

اشکوں میں کیوں نمائشِ جلوہ کرے کوئی

ساقی! ادھر نہ دیکھ کہ ایسا نہ ہو کہیں

توبہ کو نذرِ ساغر و مینا کرے کوئی

عمرِ عزیز صرفِ خلش ہو تو ہو مگر

کیوں منتِ ہجومِ تمنا کرے کوئی

تا چند ضبطِ گریۂ بے اختیارِ شوق

تا چند پاسبانیِ دریا کرے کوئی؟

مشکل اگر جوابِ تمنائے شوق ہے

دشوار ہی سوال بھی پیدا کرے کوئی

آتی ہیں یادِ دامنِ یوسف کی دھجیاں!

مجھ سے نہ ذکرِ خوابِ زلیخا کرے کوئی

ہر گام پہ ہیں لاکھ طلسمِ نظر فریب

رسوائی نظر جو گوارا کرے کوئی

ہر ذرّہ ہے مقتلِ منصورِ عشق میں!

دار و رسن کا آج تماشا کرے کوئی

احساں یہ اُن کے لفظ قیامت ہی ڈھا گئے

"آئینہ دیکھ کر ہمیں دیکھا کرے کوئی"!

اُٹھو عاشقو آ رہے ہیں وہ شاید
قیامت میں وعدہ وفا کرنے والے

بہت دُور ہیں رسمِ دیر و حرم سے
سجودِ محبت ادا کرنے والے

الٰہی جہانِ محبت سلامت
وفا پر تُلے ہیں جفا کرنے والے ؟؟؟

خُدا کے لئے اب تو بالیں پہ آؤ
دُعا کر رہے ہیں دوا کرنے والے

سراپا تمنا ہے طغیانِ رحمت
ذرا سر جُھکا لیں خطا کرنے والے

سرگذشتِ من چو پرسی بشنو از من سرگذشت

موئے سر از پا گذشت و خارِ پا از سر گذشت

(بیخود موہانی)

دَورِ ثانی

دَورِ ثانی

تھا وہ جو بے نیاز تو میں بے نمود تھا!

پھر کون تھا جو طالبِ حسنِ وجود تھا؟

بے ہوش تھا تو دل تھا دو عالم سے بے نیاز

جب ہوش آگیا تو سراپا قیود تھا

ماتم کناں ہے کس کی محبت میں انجمن

یہ کون اندرونِ لباسِ وجود تھا

احسان

جھونکا کوئی چلا جو نسیمِ بہار کا
جاتا رہا قرار دلِ بے قرار کا

دھوکے دیئے ہیں چشمِ تماشا کو بے طرح
فصلِ خزاں نے بھیس بدل کر بہار کا

کانٹوں پہ جھک رہی ہے گلوں کی جبینِ شوق
ہے ہاتھ میں خزاں کے گریباں بہار کا

طوفانِ یاس و درد کی لہریں ہجومِ غم
سرمایہ بس یہی ہے دلِ بے قرار کا

لکھا ہوا ہے دیکھ بعنوانِ انقلاب!
پیشانیِ خزاں پہ فسانہ بہار کا

تعمیر ہو رہا ہے طلسمِ نظر فروز
جادو جگا رہا ہے تبسم بہار کا

اے دلِ نگارخانۂ عالم ہے چند روز!
کیا اعتبار محفلِ بے اعتبار کا!

بدلی اُٹھی، نسیم چلی، آرزو بڑھی!
اس مفلسی میں ہائے یہ عالم بہار کا

اس مرگِ میگسار پہ قربان جائیے
جس پر کفن ہو دامنِ ابرِ بہار کا!

پلکوں پہ میری کھیل رہا ہے جمالِ دوست
اُف! یہ وقارِ گریۂ بے اختیار کا

اوراقِ گُل پہ ثبت ہے افسانۂ خزاں
میں درس لے رہا ہوں کتابِ بہار کا

ہے میرے زمزموں میں خمستانِ صد نشاط
طوطی ہوں حسنِ دوست کے آئینہ زار کا

گلشن میں چھیڑ کر دلِ پُر داغ کی حدیث!
فرمایئے تو رنگ اُڑا دوں بہار کا؟

مستو! تمہارے پردۂ لغزش کی آڑ میں
دیکھو تو ہوش ہو نہ کسی ہوشیار کا!

گر دیکھنا ہے حسنِ گلستاں کو بے نقاب
پردہ اُٹھا نظر سے خزاں و بہار کا!

احسان چشمِ شوق جھپک جائے کیا مجال
فرمانروا ہوں سلطنتِ انتظار کا

نہ تو ماہ بن کے فلک پہ رہ نہ تو پھول بن کے چمن میں آ!

یہ تمام جلوے سمیٹ کر کبھی دلگداز بدن میں آ

مری آنکھ کو وہ فروغ دے جو حریفِ جلوۂ طور ہو

مرے آنسوؤں سے جو کھیلتی ہے سحر کی پہلی کرن میں آ!

ادب اے خیالِ خدا نما! کہ فلک سے آنے لگی صدا

تجھے آرزوئے وصال ہے تو دیارِ دار و رسن میں آ!

نہ جمال ہو نہ جلال ہو نہ جواب ہو نہ سوال ہو

جو الستِ وکن سے تھی پیشتر تو اسی ادائے کہن میں آ!

مرا مدعائے نظر ہے تو میں تڑپ رہا ہوں کدھر ہے تو

مری کائناتِ خیال بن مرے ملکِ شعر و سخن میں آ

یہ بھی کوئی شانِ نمود ہے کہ خیال ہی میں وجود ہے

تو حجابِ لالہ و گل میں ہیں تو لباسِ سرو و سمن میں آ

تری ذرّے ذرّے کو جستجو تری پتّے پتّے کو آرزو
کہ نقابِ شوکتِ رنگ و بو سے نکل کے صحنِ چمن میں آ!

جس نے دل میں بھر لئے جلوے تیرے
کام اس کو آئینہ خانے سے کیا؟
اے جنوں! اٹھ! آ گئی برسات دیکھ!
اڑتے پھرتے ہیں یہ میخانے سے کیا؟
غرقِ لذّت جس سے ہیں میرے حواس
چھلکی پڑتی ہے یہ پیمانے سے کیا؟
ان کی آنکھوں سے برستی ہے شراب
ہم کو مطلب ہوش میں آنے سے کیا؟

حُسن و تشکیل کا ہر چیز پہ پردا دیکھا
یہ نیا آپ کی محفل میں تماشا دیکھا

ربِّ ارنی کی حدیں ضبط نے جب طے کر لیں
ذرّے ذرّے کو حریفِ یدِ بیضا دیکھا!

حُسنِ آزاد کو ہوتا نہیں پردوں میں قرار
عشقِ پابند کو مرہونِ تمنّا دیکھا!

قابلِ داد یہ آنکھیں ہیں کہ اِن آنکھوں سے
خود ہی پامال ہوئے خود ہی تماشا دیکھا

یاد تم آئے جہاں جُھک گئے سجدے میں وہیں
ہم نے کعبہ کبھی دیکھا نہ کلیسا دیکھا!

بزمِ عالم سے اُٹھے صبح و مسا کے پردے
تیرے وعدوں پہ مگر دامنِ فردا دیکھا

جس کو پایا اُسے مجروحِ تجلّی پایا
جس کو دیکھا اُسے مجبورِ تمنّا دیکھا!

درد بھی پاسِ ادب سے نہیں اُٹھتا پھر دل
دیکھا دیکھا، دلِ بیتاب! تماشا دیکھا؟

درد کے دن، غم و اندوہ کی راتیں دیکھیں
ہم نے محدود نگاہی میں بھی کیا کیا دیکھا!

اللہ اللہ تصوّر میں صنم سازیٔ عشق!
جس طرف آنکھ اُٹھائی ترا نقشا دیکھا

جی بہلنے کا بہانہ ہے وفا کی اُمید
ورنہ احسان کسی کو نہ کسی کا دیکھا

جب رُخِ حُسن سے نقاب اُٹھا
بن کے ہر ذرّہ آفتاب اُٹھا

ڈوبی جاتی ہے ضبط کی کشتی
دل میں طوفانِ اضطراب اُٹھا

مرنے والے! فنا بھی پردہ ہے!
اُٹھ سکے گر تو یہ حجاب اُٹھا

شاہدِ مے کی خلوتوں میں پہنچ
پردۂ نشۂ شراب اُٹھا!

ہم تو آنکھوں کا نور کھو بیٹھے
اُن کے چہرے سے کیا نقاب اُٹھا

عالمِ حسنِ سادگی، توبہ
عشق کھا کھا کے پیچ و تاب اُٹھا

ہوش ہے نقصِ بے خودی احساںؔ
لا اُٹھا شیشۂ شراب اُٹھا!

~~~~~~

یہ وقتِ دیدنی ہے المدد اے خالقِ عالم!
ترے بندے بھی ہم سے پیش آتے ہیں خدا ہو کر
نفس کے تار وقتِ جانکنی کھنچ کھنچ کے ٹوٹیں گے
ربابِ زندگی اِک دن رہے گا بے صدا ہو کر
طلسمِ صورت آبادِ جہاں میں عقل حیراں ہے
کھُلے گا بھید زندانِ عناصر سے رہا ہو کر
تقرّب سا تقرّب ہے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے؟
نگاہوں میں رہے وہ جلوۂ صبح و مسا ہو کر
جہاں احساںؔ جھک جائیگی گردن پھر نہ اُٹھیگی
کریں گے عمر بھر میں ایک سجدہ بے ریا ہو کر
~~~~~~

رہے جو زندگی میں زندگی کا آسرا ہو کر
وہی نکلے سر یہ آرا قیامت میں خدا ہو کر

حقیقت در حقیقت بتکدے میں ہے نہ کعبے میں
نگاہِ شوق دھوکے دے رہی ہے رہنما ہو کر

مآلِ کار سے گلشن کی ہر پتّی لرزتی ہے!
کہ آخر رنگ و بو اُڑ جائیں گے اِک دن ہوا ہو کر

ابھی کل تک جوانی کے خمستاں تھے نگاہوں میں
یہ دُنیا دو ہی دن میں رہ گئی ہے کیا سے کیا ہو کر

مرے سجدوں کی یارب تشنہ کامی کیوں نہیں جاتی
یہ کیا بے اعتنائی اپنے بندے سے خدا ہو کر

سرشتِ دل میں کِس نے کوٹ کر بھری ہے بیتابی

ازل میں کون یارب مجھ سے بیٹھا تھا خفا ہو کر

یہ پچھلی رات یہ خاموشیاں یہ ڈوبتے تارے

نگاہِ شوق بھی پھر رہی ہے التجا ہو کر

بلا سے کچھ ہو ہم احسان اپنی خو نہ چھوڑینگے

ہمیشہ بے وفاؤں سے ملیں گے باوفا ہو کر

الاماں اے نگاہِ شعلہ طراز
دِل میں کرتی ہیں بجلیاں پرواز
نیستی کی نمود ہستی ہے!
موت تعمیرِ زیست کا آغاز
چاندنی رات میں پپیہے کی!
تیرتی ہے فضاؤں میں آواز
کس نے جھانکا سوادِ مشرق سے
ذرّہ ذرّہ ہے مائلِ پرواز
ہر گُلِ تر میں مسکراہٹ ہے
ہر کلی کا ہے دل نشیں انداز
سبز پوشانِ باغ سبزے پر

کر رہے ہیں ادا سحر کی نماز

ق میٹھے میٹھے سُروں میں چھیڑ دیا

دِل نے پھر نغمۂ سُرور نواز

جس کے ہر رَسم پہ رُوح جاگ اُٹھے

جس کی ہر تان میں ہے جذب گداز

چونک اُٹھتی ہے بے خُودی میری!

دِل سے آئی ہے کِس کی یہ آواز!

منتظر ہے دُعا کا بابِ قبُول!

میری خُود داریوں کی عُمر دراز"

دے نہ مجھ کو فریب اے دُنیا!

کر چکا ہوں تجھے نظر انداز!

مرنے والے نے کہہ دیا آخر

آنکھوں آنکھوں میں زندگی کا راز

گوشِ محرم کی شرط ہے اے دوست

پتّی پتّی ہے اِک لبِ اعجاز

دیکھ احسانؔ! ضبط لازم ہے!

تشنۂ اِنکشاف ہے ہر راز!

عکسِ جاناں ہم شہیدِ جلوۂ جانانہ ہم
آشنا کے آشنا بیگانہ کے بیگانہ ہم!

تجھ کو کیا معلوم گذری کس طرح فرقت کی رات
کہہ پھرے اک اک ستارے سے ترا افسانہ ہم

بند ہیں شیشوں میں لاکھوں بجلیاں کھچی ہوئی
کب ہیں محتاجِ چراغِ مجلسِ میخانہ ہم

ہے دمِ آخر سرہانے لوریاں دیتی ہے موت
سنتے سنتے کاش سو جائیں ترا افسانہ ہم!

رحم اے صناعِ مہر و ماہ آج آتے ہیں وہ
ہائے کس سے مانگنے جائیں چراغِ خانہ ہم

پڑ گئی کس مہرسیما کی نگاہِ برق پاش

دیکھتے ہیں دل میں بنیادِ تجلی خانہ ہم

آ گیا ہے پھر خیالِ میکدہ وقتِ سجود

سامنے پاتے ہیں محرابِ لبِ پیمانہ ہم

تیرے ہر ذرّے پہ تا روزِ قیامت سجدہ ریز

ہم رہیں گے، اے زمینِ کوچۂ جانانہ ہم"

ہم وہ میکش ہیں کہ جوئے آبِ زمزم ہو رواں،

پی کے رکھ دیں جس جگہ رِستا ہوا پیمانہ ہم

دیکھ اب گرتے ہیں تھرائے ہوئے ہاتھوں سے جام!

چھیڑتے ہیں میگساروں میں ترا افسانہ ہم

اس دلِ ویراں میں اپنی یاد کا عالم نہ پوچھ

شب کو کر دیتے ہیں ٹھنڈا جب چراغِ خانہ ہم

یہ ارادہ ہے پہن کر اک گدایانہ لباس!

خلق کو تڑپائیں کہہ کہہ کے تیرا افسانہ ہم

کس لئے حیرت میں ہو اے حضرتِ موسیٰ چلو

ہم اُٹھائیں گے نقابِ عارضِ جانانہ ہم

منزلِ اُلفت میں ہیں احسانؔ دونوں سدِّ راہ

کھائیں کیوں آخر فریبِ کعبہ و بتخانہ ہم

ہے وقتِ جانکنی اے آرزو تیرا خدا حافظ!
تجھے ہم آج قیدِ قلب سے آزاد کرتے ہیں

طلسماتِ وفورِ نور و نکہت میں رہے برسوں
چلو اے ہمنواؤ! اب قفس آباد کرتے ہیں

بُلاوے آ رہے ہیں روح کو بادِ بہاری کے
قفس کو اب سپردِ محفلِ ایجاد کرتے ہیں!

میں ہر ذرے کو راہِ عشق میں رہبر سمجھتا ہوں
جنابِ خضر کہئے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں؟

اُنہیں پردے میں رہنا ہے تو پردے میں رہیں لیکن
مرا شیرازۂ اُمید کیوں برباد کرتے ہیں؟

حریمِ ساز کی آواز کا عقدہ نہیں کھُلتا
یہ کس دُنیا کے باشی اِس طرح فریاد کرتے ہیں

ہے میرا خرمنِ ہوش و خرد محرمِ سوز اب تک
ترے جلوے تو لاکھوں بجلیاں ایجاد کرتے ہیں

تھم اے شورِ نفس! وہ آ گئے بزمِ تصوّر میں
جنہیں ہم رات کی خاموشیوں میں یاد کرتے ہیں

یہ وقتِ نزع اور پھر صبر پرور ہچکیاں کیسی؟
دمِ آخر! ٹھہر! شاید مجھے وہ یاد کرتے ہیں

الٰہی دل کو ماتم خانۂ صد آرزو کر دے!
کہ اس میں رہنے والے بھی اسے برباد کرتے ہیں

دمِ سجدہ نہیں احساس اتنی بھی خبر ہم کو
خدا کا نام لیتے ہیں کہ اُن کو یاد کرتے ہیں

وحشتیں چھا گئیں زمینیں گُل بداماں ہو گئیں
آسماں کی وسعتیں صد رشکِ زنداں ہو گئیں

میرے دل کی حسرتوں نے شعر کا لے کے بھیس!
سینکڑوں رنگینیاں لفظوں میں پنہاں ہو گئیں

ہیکلوں کے ذرّے ذرّے پہ جھکا جاتا ہے سر
یہ نشاں اُن مسجدوں کے ہیں جو ویراں ہو گئیں

چپّے چپّے پہ چمن میں ہے خزاں کا اشتہار
پتّیاں پھولوں کی صرصر سے پریشاں ہو گئیں!

ہجر کا دن کیا ڈھلا گویا کھنچی قالب سے رُوح
مہر کی کرنیں مرے تارِ رگِ جاں ہو گئیں

میرے فردوسِ تصوّر کی بہاریں کچھ نہ پوچھ
حسرتیں سب نقش بر دیوارِ زنداں ہو گئیں

ہچکیوں میں پھر کسی کا ہے تہ و بالا خیال
میرے دل کی بستیاں پھر محشرستان ہو گئیں

گردشِ گردوں کی رفتارِ ستم کوشی نہ پوچھ!
بستیاں پامال ہو ہو کر بیاباں ہو گئیں

اُف تیرے خوں گشتہ بسمل کا نرالا پیرہن
دھجیاں دامن کی پیوندِ گریباں ہو گئیں

رنگ لائیں گی مری گلکاریاں احسانؔ ضرور
یہ اگر سرمایۂ اوراقِ دیواں ہو گئیں

بہار آئی ہے تازہ یادگارِ گلستاں کر لیں
عروسانِ چمن مل جل کے عرسِ آشیاں کر لیں

خیالِ ضبط! جاں پر آ بنی اب تو اجازت دے!
کہ ان محروم نظروں کو کسی کی داستاں کر لیں

تڑپتی ہیں لبِ خاموش میں مظلوم فریادیں
ذرا اوسان قائم ساکنانِ آسماں کر لیں

امانت اپنی منقاروں میں ہیں وہ آتشیں نغمے
کہ جس تنکے کو چاہیں ہم چراغِ آشیاں کر لیں

خزاں ملبوس ہے رنگینیِ یادِ بہاری میں
چمن زادوں سے کہہ دو التزامِ گلستاں کر لیں

شرارِ طور ہر موئے بدن سے پھوٹ نکلیں گے
اگر ہم دل ہی دل میں ایک ہلکی سی فغاں کر لیں

تم اپنے دیکھنے والوں کو دادِ دُوربینی دو!
کہ جس ذرّے میں چاہیں جھک کے بسیرِ دو جہاں کر لیں

جھلک اُٹھیں جبیں سے تابشیں سوزِ محبّت کی!
زبانِ شوق کو گر بے نیازِ داستاں کر لیں!

نو واِ آشیاں کو پہلا تنکا لے کے جاتا ہُوں!
مرا ماتم ابھی سے ساکنانِ گلستاں کر لیں

یہاں تک گامزن ہیں منزلِ مشقِ تصوّر میں
نظر جس شے پہ ڈالیں اُس کو تیرا آستاں کر لیں

جنہیں دیر و حرم کی تنگ راہوں سے گذرنا ہو
ہمیں احسانؔ وہ اپنا امیرِ کارواں کر لیں

نہ مال و نہ دولت کو دیکھتا ہوں نہ جاہ و حشمت کو دیکھتا ہوں
خدا کا بندہ ہوں اسکے بندوں میں اس کی قدرت کو دیکھتا ہوں

لگی ہے پھر چھیڑ سی جگر میں ہوا ہے پھر التجا کا سودا
پھر آج دستِ دعا اٹھے ہیں! پھر آج قسمت کو دیکھتا ہوں

اگر ہے توفیقِ جاں نثاری تو بے خودی پہ نثار ہو جا!
تجلیات خرد میں پنہاں وفورِ ظلمت کو دیکھتا ہوں

اٹھی اُس جانِ عاشقی تک وفا کی بو بھی نہ جانے پائے
یہ ہے وہ منزل کہ ہر قدم پہ نئی مصیبت کو دیکھتا ہوں

نہ اب وہ دن ہیں نہ اب وہ راتیں بدل چکی میرے دل کی دنیا
میں اب تو جھک کر کلی کلی میں جمالِ فطرت کو دیکھتا ہوں

یہ عشق کی پر سکوت راتیں یہ غم کے رقت فروش نالے!
یہ محشرِ یاس اور پھر میں رہِ مسرت کو دیکھتا ہوں

پھر آج احسان میرے آنسو بنے ہیں فانوسِ برقِ سینا
میں پھر اسی دل کے آئینے میں کسی کی صورت کو دیکھتا ہوں

رات بھیگی ہے برستی ہے گلستاں میں شراب
دیکھتے دیکھتے مخمور ہوا جاتا ہوں
ذرّے ذرّے میں اُلٹتا ہے کوئی رُخ سے نقاب
اب میں اپنے سے بہت دُور ہوا جاتا ہوں
چاند جس وقت نکلتا ہے تو ہوتا ہے گماں
پردۂ نور میں مستور ہوا جاتا ہوں
پھر میری بزمِ تصور میں ہیں جلوے بیتاب
پھر میں دیوانہ بدستور ہوا جاتا ہوں!
روتے ہیں سنک سے منہ ڈھانپ کے اپنے عزیز کس کے دربار میں منظور ہوا جاتا ہوں؟

تنگیِ ظرفِ دل تو دیکھ میکدۂ بہار میں!
خون چھلک کے آگیا دیدۂ اشکبار میں

زخم نہ ہنس پڑیں کہیں سینۂ داغدار میں
چھیڑ نہ قصۂ بہار آگ لگے بہار میں

بزمِ طرازِ دوسرا! کچھ تو نوید قرب دے!
بیٹھ نہ جائے تھک کے دل منزلِ انتظار میں

عقل ہے دنگ دیکھکر جلوۂ حسن گلستاں
جھوم رہا ہے کس کا عکس آئینۂ بہار میں؟

اے مرے دیر آشنا! وعدۂ حشر واہ واہ
صبر کی روح پھونک دی حسرتِ بیقرار میں

حسنِ جفا پسند نے رخ سے نقاب اٹھا دیا

کھیل رہی ہے چشمِ شوق جلوۂ بکنار میں

دل پہ شفق کی سرخیاں حشر اٹھا اٹھا گئیں

خون اتر کے رہ گیا دیدۂ انتظار میں

حسن کی سوزشوں میں ہے آبِ حیاتِ عاشقی

بادۂ تند و تیز ہے ساغرِ خوشگوار میں

ساقیٔ دل نواز نے ڈال دیا حجابِ کیف

فرق وگرنہ کچھ نہیں بیخود و ہوشیار میں
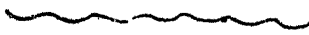
دلِ دیوانہ پہلو میں اگر ہو

تو خاکِ انساں کو پھر اپنی خبر ہو

جہاں ہو حُسن کی نظّارہ سوزی

نگاہوں کا وہاں پھر کیا گذر ہو؟

سلامت میری بیہوشی سلامت

مجھے کیوں اپنی حالت کی خبر ہو

رگوں میں بجلیاں سی تیر جائیں

اسی شدت سے پھر دردِ جگر ہو

گلستاں میں بہار آئے تو آئے!

بھلا دیوانگی کیوں زور پر ہو؟

رگِ گردن میں، دل میں یا نظر میں

ذرا آواز بھی تو دو، کدھر ہو!

مسرت خیز ہے خلوت میں رونا
جو یہ زریں تماشا عمر بھر ہو

ستم ہے وہ زمانے سے ہو پنہاں
جسے سارے زمانے کی خبر ہو

تُم اپنی حسرتِ دیدار سے لو!
خُدارا اب یہ قصہ مختصر ہو!

وہ جلوہ کب نظر آئے گا احساںؔ؟
جو مستورِ حجاباتِ نظر ہو!

قلب سے راہ و رسم رکھ آنکھ کا آشنا نہ بن!
بزمِ جہاں میں پیروِ عقلِ گرہ کشا نہ بن!
تاڑ نہ جائیں اہلِ دل عشق کی خامکاریاں
دیکھ شکستِ سازِ دل! درد بھری صدا نہ بن!
دیر سے برقِ برشگال کھیل رہی ہے دل کیساتھ
موجِ نسیم! یار کی زلف کا ماجرا نہ بن
منزلِ کیف سے گزر! پردۂ بیخودی اٹھا!
نام کی مے کشی نہ کر نازشِ ریا نہ بن!
شاہدِ شورہ زارِ غنوں! مائلِ خواب ہے جنوں
نالۂ غم فروش بن نغمۂ دل کشا نہ بن!

جس کا ہر ذرّہ نظر آتا ہے سودائی مجھے
کاش مل جائے وہی محبوبِ ہرجائی مجھے

کھینچ کر کعبے سے اکثر بتکدے میں لے گیا
بت تراشی کا کمالِ نقش آرائی مجھے

ہو گیا مائل بہ خود داری مرا ذوقِ نیاز
حشر تک روتا رہے شوقِ جبیں سائی مجھے

ڈھل رہی تھی شب فضائیں لرزہ براندام تھیں
ہر ستارے میں تری صورت نظر آئی مجھے

لوحِ قسمت سے مٹا لینے دے تحریرِ فراق!
ہمنشیں رہنے دے مصروفِ جبیں سائی مجھے!

ہونٹ تھرانے لگے دل کی رگیں کھچنے لگیں

او تغافل کیش! تیری یاد پھر آئی مجھے!
کھینچ لے اے جلوۂ جاناں مری آنکھوں کا نور!
پھر دکھائے جانے کیا کمبخت بینائی مجھے

ذرّے ذرّے میں نظر آتی تھی رعنائی مجھے
یاد ہے ہاں یاد ہے وہ عہدِ برنائی مجھے
طعنہ زن ہیں پھر مری پُر کیف خاموشی پہ لوگ
پھر کہیں لے چل جنونِ دشت پیمائی مجھے!
جلوۂ قوسِ قزح ہے اک مئے رنگیں کی موج
ابر دیتے ہیں فریبِ حسنِ لیلائی مجھے
وجد کرتا ہوں صدائے نالۂ ناقوس پر
مست کر دیتی ہیں اصواتِ کلیسائی مجھے

بھر دیئے جلوے نگاہوں میں تصور نے ترے
آتشِ گل ہے شرارِ برقِ سینائی مجھے

زندگی یہ شورشِ ہنگامہ زارِ جستجو
غور سے دیکھا تو اک دھوکا نظر آئی مجھے

اے نگاہِ دوست! پھر اک جنبشِ مستانہ ساز
پھر تمنا آگینیٔ غم ہوش میں لائی مجھے

جب مرے ایوانِ دل پر چھا گئے جلوے ترے
تنگ محملِ لیلیِ حسرت نظر آئی مجھے!

کاش! احساں مجھ کو وہ بھی اپنا سودائی کہیں
یوں تو اک عالم کہا کرتا ہے سودائی مجھے

جو مدّعائے دلی لطفِ سوز و ساز رہے!
تو کس کو شیخ و برہمن کا امتیاز رہے
صنمکدہ ہو، حرم ہو، کہ پائے ساقی ہو
غرض کہیں نہ کہیں خم سرِ نیاز رہے
سرِ نیاز کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا
دُعا یہ ہے کہ ترا آستانِ ناز رہے
ابھی رموزِ غمِ عشق آشکار نہ کر!
حقیقتوں پہ ابھی پردۂ مجاز رہے!
تمہاری گرم نگاہی سے دُور ہی کیا ہے
کہ سنگِ در میں بھی سوزِ جبیں گداز رہے
تمہاری عشوہ طرازی کا راز کھل جائے
جبیں میں ضبط اگر سجدۂ نیاز رہے

دعا بھی ہے مرے مشرب میں خامئ ایماں

جو بے نیاز کا بندہ ہے بے نیاز رہے

جہانِ عشق میں یہ طرفہ ماجرا دیکھا!

جو پائمالِ مصائب تھے سرفراز رہے!

مرا تو مقصدِ ہستی ہے بیخودی احساںؔ

جسے ہو خواہشِ جنت وہ پاکباز رہے
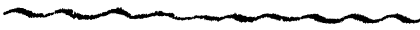
ہے پھر جبینِ شوق میں ہنگامۂ سجود
ہر سجدہ اک نیاز کی دُنیا لئے ہوئے

آئی بہار جھومتے پھرتے ہیں میگسار
لب پر حدیثِ ساغر و مینا لئے ہوئے

وہ پو پھٹی، وہ جاگ اُٹھا حسنِ گلستاں
اک کاروانِ برقِ تجلّیٰ لئے ہوئے

پھر جا رہا ہوں کوچۂ دلدار کی طرف
اشکوں میں آب و تابِ تمنا لئے ہوئے

اُف! ساکنانِ شہرِ خموشاں کی غفلتیں
سوئے ہوئے ہیں وعدۂ فردا لئے ہوئے

گردن جھکائے بیٹھے ہیں پیشِ حریمِ ناز
آنکھوں میں آرزوئے تماشا لئے ہوئے

آجایئے کبھی تو سرِ بزمِ میکشاں!
آنکھوں میں اک سرور کی دنیا لیے ہوئے
اللہ! کس کے رخ سے یہ پردہ الٹ گیا؟
ہے ذرہ ذرہ دیدۂ بینا لیے ہوئے
رونق فروزِ محفلِ رنداں میں ہے کوئی
موجِ نظر میں نشۂ صہبا لیے ہوئے
احسانؔ دیکھیں حشر میں کیا دل لگی رہے
ہم بھی چلے ہیں شوقِ تماشا لیے ہوئے

رواں ہیں اشکِ پیہم انقلابِ رنگِ محفل سے
اُبلتے ہیں یہ دو شفاف چشمے وادیٔ دل سے

نہیں بے وجہ یہ لرزہ براندامی و خاموشی
مری حسرت لپٹ کر رو رہی ہے شمعِ محفل سے

ٹھہر اے گردشِ گرداب دیکھوں کون ہے آخر
مجھے کس نے پکارا ہے تماشا گاہِ ساحل سے

مری پیاسی نگاہیں ٹھوکریں کھاتی پھریں کب تک!
کبھی باہر نکل آؤ حریمِ ماہ کامل سے!

بیابانوں میں پچھلی رات جب ہوتا ہے سناٹا
سُنا کرتا ہوں اُن کا تذکرہ تاروں کی محفل سے

لئے جاتے ہیں کِس کی لاش کو یہ چند دیوانے
الٰہی! کون رخصت ہو رہا ہے کوئے قاتل سے

کسی نے وہ درختوں کے اندھیرے سے نقاب الٹا!!!

جھلک اُٹھا ہر اک ذرہ شعاعِ ماہِ کامل سے

وہ تابش جگنوؤں کی نیم شب دریائے راوی پر

کہ جیسے اُٹھ رہی ہو کہکشاں دیوارِ ساحل سے

ٹھہر اے شورشِ انفاس خاموشی کا موقع ہے!!!

صدائے دوست شاید آرہی ہے بربطِ دل سے

مرے اشعار کیا؟ احساں ہیں کیا؟ میری ہستی کیا؟

چھلک ہے اک مئے جذبات کی پیمانۂ دل سے

عشق نے جب دیر و کعبے کی حقیقت کھول دی
امتیازِ کفر و ایماں ہو گیا مشکل مجھے!

بے خبر ہوں ہاں مگر اتنی خبر رکھتا ہوں میں
چھپ گیا ہے چھوڑ کر کوئی سرِ منزل مجھے

نہ نشینی کی تمناؤں نے اُکسایا تو تھا
دردِ دل نے اُٹھ کے دے پٹکا لبِ ساحل مجھے

ڈھل رہی ہے رات محوِ خواب ہے بزمِ جہاں
لیچلا اِس وقت آخر کس کے گھر اے دل مجھے

دل یہ کہتا ہے کہ ہر ذرّہ پہ سجدہ کیجئے
لیچلی دیوانگی کیا جانبِ منزل مجھے!!

ڈال کر سینے میں پر تو توڑ دے قیدِ حیات!

جذب کر لے اپنے جلوؤں میں مہِ کامل مجھے!
ہوں کسی رنگیں تصوّر سے رہینِ کشمکش!
ہو رہا ہے آج لطفِ زندگی حاصل مجھے!

زباں جو وقف ہے اصواتِ ہاؤ ہو کے لئے
وہ کب کھلیگی بھلا شرحِ آرزو کے لئے؟
جو دے سکے تو خدا اور وسعتیں دیدے!!!
ہیں تنگ کون و مکاں بزمِ آرزو کے لئے
کہاں کی منزلِ مقصود؟ کارواں کیسا؟
تری تلاش میں ہوں اپنی جستجو کے لئے
نظر کو حسن کے جلوؤں میں ڈوب جانے دو!!!
یہ شے نہیں ہے حجاباتِ رنگ و بو کے لئے

ادا ہو سجدۂ شکرانۂ الم کیوں کر؟!
یہ مفلسی ہے کہ پانی نہیں وضو کے لئے!
زبانِ شوق کا احسان کیا بھروسہ ہے
دل و جگر بھی ہیں درکار گفتگو کے لئے!

اُڑے جاتے ہیں ذرّے شعلہ زارِ مہر کی جانب
انہیں پیدا جوابِ ہستیِ پروانہ کرنا ہے
دیئے جا بھر کے پیمانے پہ پیمانہ مجھے ساقی!
یونہی لبریز اپنی عمر کا پیمانہ کرنا ہے
عیاں ہو سوزِ باطن! چار سو تاریکیاں پھیلیں!
ترے جلووں سے روشن آج خلوت خانہ کرنا ہے
مجھے اے جوشِ وحشت شہر میں لے چل بیاباں سے!

کہ اِک عالم کو اُس کے حُسن کا دیوانہ کرنا ہے

نگاہِ مست بہکی پھر رہی ہے جوشِ مستی سے
زمانے بھر کو شاید آج ہی میخانہ کرنا ہے؟

نگاہو! جلد کر لو طے حدیں حُسنِ مجازی کی!
تمہیں اِک دن طوافِ جلوۂ جانانہ کرنا ہے

شبِ ہجراں ہے بھر دے سوز یارب دل کے داغوں میں
کہ روشن اِن چراغوں سے مجھے غمخانہ کرنا ہے

وہ حُسنِ عالم آرا جب تجلّی بار ہوتا ہے

جہاں کا ذرّہ ذرّہ خواب سے بیدار ہوتا ہے

اِدھر بھی لُطف اے برقِ جمالِ دوست ہو جائے!

ترے دم سے سیہ خانہ تجلّی زار ہوتا ہے!

کلی نے لی جماہی پھول نے گوہر اُگل ڈالے

الٰہی کس کا جلوہ زینتِ گلزار ہوتا ہے؟

جھکی رہتی ہیں تاروں کی نگاہیں شبستاں پر

فلک پر اُن کا پچھلی رات میں دربار ہوتا ہے ط

اُنہیں بھی پاس ہے احسان اپنی بے نیازی کا

ہمارے ہر سوالِ عجز پر انکار ہوتا ہے
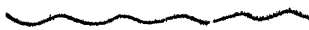
کہیں شبنم، کہیں سبزہ کہیں گل ہے کہیں خار
تیرے ہر رنگ نے مارا ستم ایجاد مجھے!

کھینچ کر سوئے حرم لے تو چلا ہے واعظ
آنہ جائیں درِ مسجدہ وہ کہیں یاد مجھے

اُن کی معصوم نگاہوں کا ہے شکوہ بے سود
کر دیا ہے مرے احساس نے برباد مجھے

منزلِ جستجوئے شوق کے حالات نہ پوچھ
ذرّے ذرّے نے سنائی مری رُوداد مجھے

اُٹھی انگڑائیاں لے لے کے قیامت دل میں
بیٹھے بیٹھے ابھی آیا تھا کوئی یاد مجھے

ہو گیا اُن کی نگاہوں سے تصادم دل کا
آگیا آج تو احسانِ خدا یاد مجھے

ہر رنگ میں جمال ترا بے نقاب ہے

دیکھے وہی کہ جس کی نظر کامیاب ہے!

یہ جلوۂ بہار؟ یہ گلشن؟ نہیں، نہیں،

آنکھوں میں خواب ہے مری آنکھوں میں خواب ہے

بیچین دل، جگر میں خلش، بے سکوں نظر

کہتے ہیں زندگی جسے اِک اِضطراب ہے

ہنستے ہیں پھول جھوم رہی ہے ہر ایک شاخ

اللہ آج کون یہاں بے نقاب ہے

سبزے میں، گل میں، شمع میں، شبنم میں، برق میں،

رعنائی نقاب تیری بے نقاب ہے

پھر یاد آئی ایک صراحی بدوش کی!

وہ پھر تصوّرات کی دنیا خراب ہے

احسان چھیڑ سوز میں ڈوبی ہوئی غزل
جنگل ہے، خامشی ہے، شبِ ماہتاب ہے

ترقّی پر ہے رنگینی عجب فطرت کے ساماں کی
بہار آئی نہیں اب خیر میرے جیب و داماں کی

ابھی تک دل پہ ہے اُس عالمِ مدہوش کا دھوکا
وہ سنّاٹا وہ ہلکی چاندنی ماہِ درخشاں کی!

ٹپک پڑتے ہیں آنسو دیکھ کر شبنم کے قطروں کو
حقیقت پوچھیے پھولوں سے میری چشمِ گریاں کی

جسے اہلِ جہاں قوسِ قزح کا نام دیتے ہیں
فلک کے ہاتھ میں ہیں دھجّیاں میرے گریباں کی

نسیمِ صبح نے شانہ ہلایا جب سمندر کا
اُٹھی انگڑائی لے کر ہر کرن مہرِ درخشاں کی!
لباسِ برق میں کالی گھٹا سے کھیلنے والے!
مجھے بھی آرزو ہے جلوۂ آتش بداماں کی!
لرزجاتے ہیں پتّے اور سر دھنتی ہے ہر ٹہنی
تڑپتی لوٹتی اُٹھتی ہے کیوں دُنیا گلستاں کی؟
الٰہی خیر ہو احسانؔ نے توبہ نہ توڑی ہو
ہے آمد میکدے میں آج کس مردِ مسلماں کی

~~~~~~
~~~~~~

نگاہِ دیدار جو ہے بیکل خدا اِسے کامیاب کر دے!
شہیدِ برقِ جمال کر دے قتیلِ رازِ نقاب کر دے!

میں اُس کا میخانہ پوچھتا ہوں میں ایسے ساقی کو ڈھونڈتا ہوں
جو آنکھوں آنکھوں میں تشنہ کاموں کو مستِ جامِ شراب کر دے

تری نگاہوں میں تابشِ مضطرب کی وہ بجلیاں نہاں ہیں
اگر تو چاہے تو ذرے ذرے کو روکشِ آفتاب کر دے

مآلِ سوزِ غمِ نہانی! مری اُمیدیں نثار تجھ پر
مرا سکون و قرار لے لے رہینِ صد اضطراب کر دے

جوابِ عصیاں سے شیخ عاجز نگاہِ واعظ سے دُور جلوے
جو رند چاہے تو آج پیدا جوابِ روزِ حساب کر دے

نظارہ سوزی کی چلمنوں کو لپیٹ بھی اد جمال والے
اُٹھا کے پردہ مری نظر سے حقیقتیں بے نقاب کر دے

مری امیدیں تڑپ تڑپ کر ہجومِ حرماں میں سو گئی ہیں

انہیں فراوانیِ طرب سے الٰہی محرومِ خواب کر دے

تھے جن سے موسیٰ کی ہوش پراں جو طور پر رقص کر رہے تھے

مرے لئے بھی اسی طرح کے شرار کچھ انتخاب کر دے

کہاں کہ امت یہ واعظوں ہیں گدائے میخانہ اللہ اللہ

نگاہ ظرفِ وضو پہ ڈالے تو دم میں جام شراب کر دے

نہ مجھ میں احسانؔ کوئی خوبی نہ میرا طرزِ کلام دلکش

مگر وہ ساماں طرازِ عالم عجب نہیں کامیاب کر دے

ہزاروں گم ہیں اس منزل میں منزل دیکھنے والے
کلیجہ تھام لے اپنا مرا دل دیکھنے والے!

یہ دل والوں کو تعلیم سجودِ پائے جاناں ہے
سرِ ہر موج کو بر پائے ساحل دیکھنے والے!

ہر اک ذرے میں پوشیدہ ہے اک طغیانِ بیہوشی
سنبھل کر دیکھنا پیمانۂ دل دیکھنے والے!

مٹاتا جا رہا ہوں نقشِ پا صحرا نوردی میں
کہاں ڈھونڈیں گے مجھکو میری منزل دیکھنے والے

ترے دل میں ہزاروں محفلیں جلوؤں کی پنہاں ہیں
فلک پر انجم تاباں کی محفل دیکھنے والے!

فشارِ ضبط سے لیلیٰ کہیں مجنوں نہ ہو جائے

نہ دیکھ اب سوئے محمل سوئے محمل دیکھنے والے!
کسی کا عکس ہوں احسانؔ مرآتِ حقیقت میں
مجھے سمجھیں گے کیا تصویرِ باطل دیکھنے والے

جب تک نظر میں ان کی بہارِ جمال ہے!
کہدو یہ موت سے مرا مرنا محال ہے!
اُس دل میں تیری یاد ہو اے شوقِ ہرزہ کار؟
یہ ایک واہمہ ہے طلسمِ خیال ہے
چھائی ہوئی ہے شام سے چہرے پہ مردنی!
بیمارِ غم کی رات گذرنا محال ہے
اُف رے یہ کائناتِ گلستاں کی عاجزی
ہر شاخِ گل بہار میں دستِ سوال ہے

کیسا چمن! کہاں کی صبا؟ کیا بہارِ گل؟
یہ سب فریب کاریِ حسنِ خیال ہے

ہو کر گداغریقِ ندامت ہوں اس قدر؟
پابندِ آستیں مرا دستِ سوال ہے

احسانؔ مری غزل میں مضامیں ہیں نو بنو
مانا زمینِ شعر بہت پائمال ہے

کسی کے حسنِ تغافل پہ جائیے قرباں
کہ تل گیا دلِ بے مدعا دعا کے لئے

جبیں پہ گرد رہِ عشق لب پہ مہرِ سکوت
دیارِ غیر میں پھرتا ہوں آشنا کے لئے

کہاں الست کی نازش، کہاں بلا کا نیاز
تھی ابتدا مری بیتاب انتہا کے لئے

عدم کی راہ، قیامت کی دھوپ، قبر کی رات
یہ مشکلیں مری اک جانِ مبتلا کے لئے!

ہر ایک پھول پہ سجدہ، ہر اک کلی پہ درود
یہ حال ہے مرا اک بندۂ خدا کے لئے

مجھے امید ہے احسان بزمِ خوباں سے
ملے گا درد دلِ دردِ آشنا کے لئے

بس رہا ہے عطر میں پیراہن بادِ نسیم
کیا کہیں اس کی رسائی آپ کی محفل میں ہے؟

اُن کے جاتے ہی فضا پہ چھا گیا رنگِ جنوں
آہ ویرانی سی ویرانی مری محفل میں ہے

پوچھنے والے! مآلِ حسرت وارماں نہ پوچھ
پہلے دل میں تھی وہ محفل، اب مزارِ دل میں ہے

جستجوئے دوست میں شب رنگیٔ حرماں کہاں؟
ذرہ ذرہ اک چراغِ آرزو منزل میں ہے

پھر مرا دل بن گیا ہے۔ شورشِ آبادِ حیات
پھر وہی پروردگارِ آرزو محفل میں ہے

لب پہ نالہ، آنکھ میں آنسو، جگر میں سوزِ غم
دیکھ میری حسرتوں کی جان کس مشکل میں ہے!

اُٹھ رہا ہے دِل میں اِک گرداب دردِ بیکسی
کشتیِ اُمید کس دریائے بے ساحل میں ہے

رونیوالے رو چکا بس اب ذرا گردن اُٹھا!
وہ تمنائے نظر خمیازہ کش محفل میں ہے

داستانِ ضبطِ غم ہے ہچکیوں کا سلسلہ
دِل کو لے کر اُچھلتا ہے جو نالہ دل میں ہے

ہے کوئی بزمِ خرد میں ؟ آئے دے اِس کا جواب
کون پوشیدہ حریم اضطرابِ دل میں ہے

غش پہ غش کھا کھا کے گرتی ہے نگاہِ جستجو
کوئی تو احسان آخر پردۂ محفل میں ہے

نشے میں شبابِ خودسر کے دشوار خیالِ سجدہ تھا

اے عشق میری مایوسی کو للہ کسی قابل کر دے!

تجدیدِ تبسم فرما کر پھر دل کی لگی کو بھڑکا دے

ارمانِ شہادت مضطر ہیں۔ چلمن کو اٹھا! بسمل کر دے

وہ ضبط کا پرچم لہرائے تعریض کی بیکل بستی پہ!

جو عرضِ لبِ خاموش تو کیا فریادِ نظر مشکل کر دے

یہ درد جو اکثر اٹھتا ہے پہلو میں حسیں نظاروں سے

اس درد کے صدقے صبر و سکوں اس درد کو میرا دل کر دے

محروم نظر، مجبور زباں، مایوس اثر، مسدود بیاں
جذبات میں محشر برپا ہے آساں مری مشکل کر دے

یہ ترکِ تغافل کیا معنی! سینے میں خلش کم ہوتی ہے
ہر موجِ نفس ہو درد فزا ہر قطرۂ خوں کو دل کر دے

روشن ہو ایسی چشمِ طلب ہر ذرہ ترا آئینہ ہو
وہ نطق ودیعت فرما جو تفسیرِ حق و باطل کر دے!

فریاد و فغاں کے بربط پر مغموم خموشی طاری ہے
اٹھ اپنے رسیلے نغموں سے پھر گرم ذرا محفل کر دے

ہر چند شرابِ رنگیں سے لبریز ہے میرا پیمانہ
اے پیرِ مغاں اس ساغر میں کچھ کیفِ نظر شامل کر دے!

جلوؤں کی تجلی سے کہہ دے احساس کا سینہ جاں فرسا
اس صبر و سکوں میں آگ لگا تاراجِ متاعِ دل کر دے

تماشا ہے کہ تشہیرِ امید و بیم کرتا ہوں

معارف کو اسیرِ حلقۂ ترقیم کرتا ہوں

مرے پُر درد نالے تیرتے ہیں شب کے سینے میں

فضا میں ارمغانِ رنگ کی تقسیم کرتا ہوں

تو اے دنیا سیہ کارہ ہے باطن سہی لیکن

ترے حسنِ نظر افروز کو تسلیم کرتا ہوں

دعائیں مانگتا ہوں رات بھر تسکینِ قلبی کی

معاذ اللہ رضائے دوست میں ترمیم کرتا ہوں

مری ناقص خیالی ہے مری ناقص خیالی ہے

کہ طاعت سے امیدِ کوثر و تسنیم کرتا ہوں

خمِ قوسِ قزح کی دلنشینی واہ رے قدرت

اسی محراب میں خمِ گردنِ تسلیم کرتا ہوں

وہ جب سینے میں اٹھتا ہے تو میں اٹھتا ہوں بستر سے
کسی کے درد کی اس شان سے تعظیم کرتا ہوں

مچل جاتی ہیں جب بیتابیاں آغوشِ حرماں میں
دلِ پُر آرزو کو ضبط کی تعلیم کرتا ہوں

دمِ سجدہ کسی کی شکل رہتی ہے تصوّر میں
مذاقِ بندگی میں اک نئی ترمیم کرتا ہوں

زمانہ قائلِ تدبیر ہے احسان ہو لیکن
میں افسوں کارئ تقدیر کو تسلیم کرتا ہوں

〰〰〰

میری مستیوں پہ واعظ تیری جنتیں تصدق

تو گناہِ بیخودی سے ابھی آشنا نہیں ہے

مجھے یاد آنے والے ہے سحر قریب آجا!

سرِ بزمِ آرزو اب کوئی دوسرا نہیں ہے

انہیں انفعال کیوں ہے مرے شکوۂ جفا پر

وہ نظر نظر نہیں ، جو ستم آشنا نہیں ہے

درِ شاہدِ عدم پر سرِ زندگی جھکا دے

کہ اس انتہا سے پہلے تیری ابتدا نہیں ہے

میری غمنوائیوں پر سرِ بزم ہنسنے والو!

یہ خیال بھی نہ کرنا کہ مرا خدا نہیں ہے

ترا حسن ہے ازل سے مرا عشق ہے ابد تک

تیری ابتدا نہیں ہے میری انتہا نہیں ہے

غمِ بیکسی پہ احساں میری راحتیں ہیں قرباں
کہ جہاں میں اس سے بڑھکر کوئی آشنا نہیں ہے

عمرِ رفتہ کی کہانی کیا ہے — ایک تہمت ہے جوانی کیا ہے
میرے اشکوں کی روانی دیکھی! — تیرے خنجر کی روانی کیا ہے؟
تیرے محبوب تبسم کا جواب — میری آشفتہ بیانی کیا ہے
رات لٹتے ہوئے گزریگی ضرور — ورنہ یہ دل پہ گرانی کیا ہے؟
دشمنِ زیست پہ جاں دیتا ہوں — اور جینے کی نشانی کیا ہے.
ہاتھ میں تیغ ہے بل چتون پر — آج یہ آپ نے ٹھانی کیا ہے؟
عہدِ پیری میں رُلاتی ہے اسد — ہائے کمبخت جوانی کیا ہے

ایک موہوم سا طوفانِ خودی
کچھ نہیں جوشِ جوانی کیا ہے

رندانِ تشنہ کام کو جا کر خبر کریں!
آئی بہار ابرِ کرم پر نظر کریں

ہوں منفعل ضرور مگر اے گناہِ عشق!
اب اشک بھی نہیں ہیں جو دامن کو تر کریں

بے وجہ کب ہے پرسشِ حالِ شبِ فراق
مقصد یہ ہے اضافۂ دردِ جگر کریں

فرصت کے دن ہیں ساقیٔ میکش نواز اُٹھ!
کیوں انتظارِ موسمِ دیوانہ گر کریں

مجھ پر اٹھا رہے ہیں جو محفل میں انگلیاں
اپنی حقیقتوں پہ تو آخر نظر کریں

کعبہ میں خامشی ہے صنم خانے میں سکوت
صورت پرست اب ترے سجدے کدھر کریں

اُف رے جمالِ جلوۂ جاناں کی تابشیں
دیکھیں اُنھیں کہ ماتمِ تابِ نظر کریں

ادراکِ دو جہاں پہ بھی ہوگا نہ اختتام
احسانِ سرگذشتِ الم مختصر کریں!

وہ سرِ بالیں ہیں وقتِ جاں کنی
اللہ! اللہ شانِ انجامِ حیات
میگسارو! منہ لگانا دیکھ کر
درد سے لبریز ہے جامِ حیات
صبح تو گذری دیارِ یاس میں
دیکھئے اب ہو کہاں شامِ حیات
مرنے والے موت کیا ہے، کچھ نہیں

ہاں مگر لغزشِ گامِ حیات
واہ رے اندازِ صیّادِ ازل
ہر طرف پھیلا دیا دامِ حیات
کوئے قاتل میں چلا ہے سر بکف
ہاں وہی احسانؔ ناکامِ حیات

وہ دل ہی کیا جو تسلی سے بیقرار نہ ہو
وہ آنکھ کیا ہے جو تصویرِ انتظار نہ ہو

نگاہ کیا ہے جو محصورِ حسنِ دوست نہیں
گمان وہ کیا ہے جو خود پر گمانِ یار نہ ہو

وہ حسن کیا ہے کہ برسیں نہ بجلیاں جس سے
وہ عشق کیا ہے جو صورت سے آشکار نہ ہو

وہ جوش کیا جو رہے سرحدِ تمنا تک
وہ ہوش کیا جو گریباں بھی تار تار نہ ہو

وہ کیا حیات جو مایوسِ حیات نہیں
وہ موت کیا ہے جو ہستی کی یادگار نہ ہو

نسیم کانپتی پھرتی ہے صحنِ گلشن میں
خزاں مآل یہ رنگینیٔ بہار نہ ہو

نگاہِ شوق میں تابِ جمال، ناممکن
تجھے وہ دیکھ سکے جو امیدوار نہ ہو

قفس کے گرد بگولوں کا گھومنا کیسا؟
مری تلاش میں فرقت زدہ بہار نہ ہو

جہاں میں رہ مگر آزاد دو جہاں ہو کر
جہاں سے جائے تو پابندیٔ مزار نہ ہو

کبھی گلوں کی تمنّا تھی، اب دعا یہ ہے
مری خزاں کو میسّر کبھی بہار نہ ہو

کلی کو وقتِ تبسّم خیال لازم ہے
کہ باغ میں کوئی نامحرمِ بہار نہ ہو

چھڑی ہے بزمِ تمنّا میں پھر حدیثِ سجود
مری جبیں کا کسی در کو انتظار نہ ہو

اگرچہ مہر بلب ہوں مگر خیال یہ ہے
کہیں وہ اپنی جفاؤں پہ شرمسار نہ ہو

جو سانس رُک کے نہ آئے وہ تنگیِ سینہ ہے
وہ دل خمیازۂ دل ہے جو بیقرار نہ ہو

شکستِ ضبط دلالت ہے خامکاری کی
سکونِ دل کی تمنّا میں بیقرار نہ ہو

خُمارِ خانۂ عالم کی زندگی، توبہ
جو ہوش ہے تو یہاں رہ کے ہوشیار نہ ہو

مری نظر میری نظروں سے گر گئی احسانؔ
کہ یہ کہیں رُخِ جاناں کی پردہ دار نہ ہو

نقابِ دیدۂ خود بیں سے جب سرکتا ہے

ہر ایک چیز میں حُسنِ ازل جھلکتا ہے

نہیں ہے جذب اگر مجھ میں جلوۂ جاناں!

زمانہ کس لئے صورت کو میری تکتا ہے؟

ہماری چشمِ تجسّس کے دیکھنے والے!

ٹھہر ٹھہر کہ یہ ساغر ابھی چھلکتا ہے!

وہ دن گئے کہ نگاہوں میں تھا جہاں آباد،

ہماری آنکھ میں آنسو بھی اب کھٹکتا ہے

چمن میں بادِ صبا کی سبک خرامی سے

ہر ایک قطرۂ شبنم کا دل دھڑکتا ہے!

ترے سوا مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا!

مرے سوا تجھے یوں کون دیکھ سکتا ہے

حسنِ منتشر

حسنِ منتشر

پھولوں کی اوٹ لے کے تبسّم پاشیاں نہ کر!

آنکھیں ملا کے مجھ کو شرابِ نظر پلا!

جھومے شباب وجد میں آ جائے کائنات!

ایسی شراب ساقیِ دیوانہ گر! پلا!

تیری بلا سے نغمۂ منصور چھیڑ دوں

ہاں! ہاں! پلا! پلا ابھی سرِ رہگذر پلا!

ساری ہوں لغزشیں مرے ذرّاتِ خاک ہیں

ساقی! مجھے کچھ ایسی قیامت اثر پلا!

ہر گام پر ہزار نشانِ سجود ہیں!
کعبہ سمجھ رہا ہوں تری رہگذر کو میں

آنکھوں میں آئی خانۂ دل میں اتر گئی
دوں کیوں نہ داد اُس نظرِ کارگر کو میں

پھر چھیڑتا ہوں خنجرِ قاتل کی داستان
درماں سمجھ کے لذّتِ سوزِ جگر کو میں

اے برقِ حسن کیا مجھے موسیٰ سمجھ لیا؟
مدّت ہوئی کہ پھونک چکا اپنے گھر کو میں!

کلی بلبل سے کہتی ہے چٹک کر
شکستِ دل کی اک آواز ہوں میں!
میری فطرت میں ہے رفعت نشینی
صبا! بن کر پرِ پرواز ہوں میں!!

دیکھ کر پھول پہ شبنم تھا تبسم کا گماں
جھک کے دیکھا تو وہ اک دیدۂ گریاں نکلا
مل گئی خاک میں ملتے ہی حیاتِ ابدی
جینے والے کو جو دشوار تھا آساں نکلا!

کوئی محوِ آہ و بکا ہوا ہے جفائے محرمِ راز سے
کہ صدائے سوز نکل رہی ہے تڑپ کے پردۂ ساز سے

ہوئی عندلیب جو نغمہ زن کئے سجدے شاخوں نے پے بہ پے
کہ فضائے دہر میں گونجتی ہے اذاں ہی پہلے نماز سے

مری جستجو ہے وہ جستجو جو اسیرِ رنگِ بیاں نہیں
مرا ذوقِ دید گزر چکا ہے حدودِ حسنِ مجاز سے

ماہ و انجم کی جلوہ ریزی سے
آسمان گلشنِ خلیل ہوا ہے

عشق بنیادِ حسن ہے اے دوست!
میرا ہونا تری دلیل ہوا

منزلِ عاشقی میں شل ہو کر
قیس سنگِ نشانِ میل ہوا

یا تو دیوانہ و مخمور بنایا ہوتا!
یا مجھے خوگرِ دستور بنایا ہوتا!
گر نہ تھے دار و رسن کے یہ تماشے مرغوب
کیوں بنایا تھا، نہ منصور بنایا ہوتا!

رہینِ التجائے رنگ و بو پایا گلستاں کو
ہر اک شاخِ گلِ رنگیں کو ہم دستِ دعا سمجھے
سنا اور سن کے فرمانے لگے اچھا بہت اچھا
وہ میری داستانِ غم کو میرا مدّعا سمجھے
زمانہ چاند سمجھے چاند کو احساں مگر ہم تو!
کسی پہ مٹنے والوں کے مزاروں کا دیا سمجھے

احساس بیرنگ

اک رنگ نگاہ شوق پیکر میں صورت سے جمال تصویر دار

دل رنگ و جاہ سے دل کا نقش حیات آشنا ہوئے

حسن کے احساس کی رنگینی پیکر و وصل آشنا

پیکر لذت بیان کا نقش حیات آشنا ہوئے

نوائے پریشاں

واعظ سے بحث کرتے ہیں یہ رندانِ میکدہ
دیکھو نا، ہوشمند بھی دیوانے بن گئے!

ظرفِ وضو تھا، ٹوٹ کے بیکار ہو گیا
شیشے ہوئے شکست تو پیمانے بن گئے

بھیجے تھے اُن کے نام جو آغازِ عشق میں
احسان وہ خطوط تو افسانے بن گئے!

کاشانۂ دل میں جو ہوا ذکر محبت
آنسو مری رسوائی کی تمہید کو آئے
ہر تار نفس میں ہے انا الحق در و قیوم
منصور سے کہہ دو مری تقلید کو آئے